۱۹۸۴ء
کے
اقبالیاتی ادب کا جائزہ

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

تبرّک ہے مرا پیراہنِ چاک
نہیں اہلِ جنوں کا یہ زمانہ

اقوام عالم میں یہ اعزاز و انفرادیت صرف پاکستان کو حاصل ہے کہ اس کا قومی شاعر، نہ صرف اپنے دور اور اپنی زبان کا سب سے عظیم شاعر ہے، بلکہ تصورِ پاکستان کے خالق کی حیثیت سے بھی اسے ملک کے فکری اکابر میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ یوں کسی ملک کو علامہ اقبال ایسی عبقری اور مختلف الحیثیات شخصیت کا میسر ہونا جس کا شعری، فکری اور فلسفیانہ مقام و مرتبہ دنیا بھر میں مسلّم ہے، اس ملک اور اس ملک کے لوگوں کی سعادت و روشن بختی کی دلیل ہے۔ یہ ان کے عظیم فکری سرمائے اور شعری ورثے کا اعجاز ہے کہ ہماری قومی اور ملی زندگی کا کوئی شعبہ ان کے تذکرے اور انکے اثرات سے خالی نہیں۔

"اقبالیات" اور "اقبالیاتی ادب" کی اصطلاحوں کی ترویج حضرتِ علامہ کے انہی روز افزوں اثرات کی دلیل ہے سالانہ ادبی جائزوں میں "اقبالیات" کی رفتار و پیش رفت کا ذکر ہوتا ہے، مگر یہ تذکرہ بالعموم مختصر اور کتابوں کے نام گنوانے تک محدود رہتا ہے۔ ذیل میں ہم اپنے علم اور معلومات کی حد تک، ۱۹۸۴ء کے دوران میں شائع ہونے والے اقبالیاتی ادب کا ایک جائزہ پیش کر رہے ہیں۔[۱]

اس جائزے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اقبالیات کی سمت و رفتار کا اندازہ کرنے میں مدد مل سکے۔ نیز اقبالیاتی ادارے، اقبال سے دلچسپی رکھنے والے اہلِ قلم اور اقبال شناس مصنفین ایک لمحے کے لیے رک کر، اقبالیات کی پیش رفت کا جائزہ لے سکیں اور اس کی روشنی میں اپنی کارکردگی کو بہتر بنانے پر توجہ دیں۔

اقبالیات کے ضمن میں اوّلیں اہمیت بنیادی ماخذات کی ہے۔ اس برس اقبالیات کے متعدد اہم ماخذات دریافت ہوئے ہیں، جن میں علامہ کے خطوط، ان کے مسودات و ملفوظات اور سوانحِ اقبال سے متعلق بعض نئی معلومات و روایات شامل ہیں۔

ثاقب نفیس نے اپنے تحقیقی مقالے بہ عنوان: "چودھری محمد حسین اور علامہ اقبال" میں اقبال کے ۲۶ غیر مطبوعہ خطوط بنام چودھری محمد حسین پیش کیے ہیں، جو اب تک کے معلوم شدہ متنِ اقبال میں ایک قیمتی اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ثاقب نفیس نے اپنے مقالے میں، جو ایم اے اردو کے امتحان کے لیے تیار کیا تھا، چودھری محمد حسین کی ڈائری کے

چند اوراق بھی شامل کیے ہیں، جن میں اقبال سے ان کی گفتگوؤں کی روداد ملتی ہے۔ علامہ کے ان خطوں اور چودھری صاحب کی ڈائری سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علامہ وسط ایشیا کے مسلمانوں کے مستقبل سے گہری دلچسپی رکھتے تھے، وسط ایشیا کے مسلم اکثریتی علاقوں پر روس کے جبری تسلط کو ناجائز سمجھتے تھے اور ترکستان کی آزادی کے معاملے میں خاصے پُر امید تھے۔ اور اسی حوالے سے امتِ مسلمہ کے روشن مستقبل پر غیر متزلزل ایمان رکھتے تھے۔ وہ غازی انور پاشا کے مدّاح تھے اور انہوں نے آزادیٔ ترکستان کی تاریخ بہ این الفاظ برآمد کی تھی "غیب بینیٔ انورؔ" (۱۳۴۱ھ) — علامہ کی مستقبل شناسی کا اندازہ، حیدر آباد دکن کی فوج کے بارے میں ان کے مندرجہ ذیل خیالات سے ہوتا ہے۔ اس کا اظہار انہوں نے جسمانی اعتبار سے نحیف و نزار اور افسردہ پیکر فوج کا معائنہ کرنے کے بعد، ریاست کے سپہ سالار سے کیا۔ فرمایا: "آپ کو وہ فوج حیدر آباد دکن میں رکھنی چاہیے، جو جسمانی اعتبار سے کسی آڑے وقت میں کام آسکے۔ آپ کو تعداد کی ضرورت نہیں، طاقت و قوت درکار ہے۔ کہیں سے مرد بھرتی کیجیے۔ ہندوستان کا مستقبل کئی قسم کے انقلابات کا متقضی ہے۔ جمہوریت کا مفہوم ہر دماغ کے اندر جگہ حاصل کر رہا ہے۔ آپ کی ریاست اسلامی ہے۔ آپ کی آبادی ۸۸ فیصد ہندو ہے۔ چاروں طرف ہندو ریاستیں ہیں، اور ہندو آبادی کا زور ہے، جن خوابوں میں آپ کی ریاست مست ہے، ان کی تعبیریں خطرناک معلوم ہوتی ہیں.... مسلمانوں کو اس وقت سب تحریکوں کو چھوڑ کر ایک اشاعتِ اسلام کو پوری تندہی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے۔ حیدر آباد میں اشاعت کی، باقی حصصِ ہندوستان کی نسبت زیادہ ضرورت ہے۔" ۲۵ ستمبر ۱۹۲۳ء کے خط میں لکھتے ہیں: "حیرت انگیز خبر یہ ہے جو ایک عربی اخبار (فتی العرب) سے نقل کی گئی ہے اور آج کے اخبار میں شائع ہوئی ہے یعنی صدر جمہوریہ روس لینن نے ایک طویل رخصت بوجہ علالت لے لی ہے، اور اس کی جگہ ایک مسلمان محمد سٹالین نام جمہوریہ روس کا صدر مقرر کیا گیا ہے۔" اس سے علامہ اقبال کی سادہ مزاجی اور خوش خیالی سے، زیادہ، روسی مسلمانوں اور ملتِ اسلامیہ کے مستقبل سے ان کی دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس دور میں مصطفےٰ کمال پاشا کے انقلابی رول کے پیشِ نظر، متذکرہ خط میں اقبال یہ سوال بھی اٹھاتے ہیں کہ: "آیا مہدیٔ موعود یہی شخص ہے یا کوئی اور؟"

بنیادی ماخذات کے سلسلے کی دوسری اہم چیز اقبال اکیڈمی حیدر آباد دکن کے مجلّہ "اقبال ریویو" کی خصوصی اشاعت ہے جس میں علامہ اقبال کے سات غیر مطبوعہ خطوط اور ان کی سوانح کے بعض پہلوؤں سے متعلق ایسے حقائق و معلومات شامل ہیں جو ہنوز پردۂ اخفا میں تھے اور جن سے بہت سے نئے امور منکشف ہوتے ہیں۔ یہ معلومات آندھرا پردیش آرکائیوز کی قدیم حیدر آبادی فائلوں سے اخذ کر کے سید شکیل احمد نے مرتب کی ہیں۔

علامہ اقبال نے جنوری ۱۹۲۹ء میں حیدر آباد جا کر تین لیکچر دیے تھے۔ ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۳۰ء میں انہیں دوبارہ حیدر آباد آ کر مزید تین لیکچر دینے کی دعوت دی گئی، مگر اپنی مصروفیات کی بنا پر انہوں نے معذرت کر دی۔

علامہ اقبال کی سفارش پر نظام گورنمنٹ نے لاہور کے ادارہ معارفِ اسلامیہ کے لیے تین سال تک دو ہزار روپے سالانہ کی گرانٹ منظور کی تھی۔

نواب حمید اللہ خان والیٔ بھوپال نے علامہ اقبال کے لیے یکم جون ۱۹۳۵ء سے پانچ سو روپے ماہوار وظیفہ جاری کیا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ برسوں پہلے ۱۹۲۳ء میں نواب صاحب نے نظام حیدر آباد کو خط لکھ کر از خود

تحریک کی تھی کہ اقبال کی مالی مشکلات کے پیشِ نظر ان کے لیے ایک ہزار روپے ماہوار وظیفے کی منظوری دی۔ مگر سر مہدی یار جنگ صدر المہام سیاسیات کی مخالفت کی بنا پر نظام نے اس درخواست کو قبول نہیں کیا۔ سر مہدی یار جنگ نے اپنے نوٹ میں لکھا تھا کہ اقبال کے اچھے شاعر ہونے کے بارے میں فنِ شاعری کے ماہروں میں اختلاف ہے نیز مالی مشکلات اور ریاست کی آمدنی میں کمی کے پیشِ نظر ایک حبہ بھی باہر بھیجنا گویا جرم ہے۔ صدر المہام کے مخالفانہ نوٹ کے بعد یہ فائل جہاں پہنچی، کسی شخص کو اس سے اختلاف کرنے کی جرأت نہیں ہو سکی۔ حتیٰ کہ سر کشن پرشاد شاد، جو حیدر آباد میں علامہ اقبال کے قدر دانوں بلکہ دلی خیر خواہوں میں سے تھے، اور ان کے بہت قریبی دوست تھے انہیں بھی صدر المہام سیاسیات کی رائے سے اتفاق کرتے ہی بنی۔

بعض خطوط اور ناکوں سے آفتاب اقبال کے متعلق انکشاف ہوتا ہے کہ وہ اپنے والد سے بالا بالا ریاست حیدر آباد میں علامہ اقبال کے ایک قدر دان سر اکبر حیدری سے مالی اعانت کے طالب ہوتے۔ مثلاً انہوں نے ۱۰ جنوری ۱۹۳۶ء کے خط میں اپنے والد کی سیقم مالیات کا رونا روتے ہوتے، ان کے بڑھاپے کے نام پر اپنے لیے کچھ مدد چاہی۔ آفتاب اقبال کا ملتجیانہ انداز، بالکل بھک منگوں کا سا لگتا ہے۔ انہوں نے سر اکبر حیدری کو لکھا۔

Nawab Sahib, would you like a future biographer of my father to say that poet Iqbal and his children lived in poverty, while Hydri was at the height of his power and influence in Hyderabad State.

اس سے کتنی سال پہلے ۱۹۳۱ء میں، جب آفتاب اقبال لندن میں تھے اور غالباً زیرِ تعلیم، حیدر آباد دکن کا ایک سرکاری وفد لندن گیا تو انہوں نے وفد تک رسائی حاصل کی، اس وفد میں سر اکبر حیدری بھی شامل تھے۔ آفتاب اقبال اس وفد سے ایک سو تیرے پونڈ کی رقم بطور قرض حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بعد ازاں یہ رقم مہاراجہ کشن پرشاد صدرِ اعظم کے دستخطوں سے عطیہ قرار دے کر معاف کر دی گئی۔

ایک اور موقع پر آفتاب اقبال نے اپنی مالی مشکلات، والد کے عدمِ التفات اور جائداد سے محرومی کا شکوہ کرتے ہوئے سر اکبر حیدری کو توجہ دلائی کہ وہ ان کے والد کو، اپنے بیٹے کی مالی امداد پر آمادہ کریں۔ سر اکبر نے ایک خط کے ذریعے بڑے محتاط انداز میں یہ امر علامہ کے گوش گزار کیا، تو انہوں نے جواباً سر اکبر کو اصل صورتِ حال سے آگاہ کیا، جو خاصی تکلیف دہ تھی۔ علامہ نے لکھا۔

The story is long and too painful to relate. I am sure if you had known all the facts you would have found it difficult to write to me on his behalf. Indeed I avoided meeting you at Delhi as I thought he might become the subject of our conversation which would report my peace of mind for time. I have already helped him beyond my capacity. In spite of the manner in which he has been behaving towards me and other members of our family. No father can read with patience the nasty letters which he has written to us. And which he is doing now is only part of the blackmailing scheme of which he hasbeen availing himself for same time.

آفتاب اقبال کے بارے میں علامہ اقبال نے ایک اور خط میں سر اکبر کو لکھا۔

It is impossible for me to describe how he has behaved in all these years.

آفتاب اقبال کے ضمن میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان کی مالی امداد کے لیے مشہور قادیانی لیڈر سر ظفر اللہ نے بھی اکبر حیدری سے سفارش کی تھی۔ یہ خطوط اور دستاویزات آفتاب اقبال سے علامہ کی ناخوشی و ناراضگی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہیں اور ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ اقبال، آفتاب کے متعلق اپنے رویے میں کس قدر حق بجانب تھے۔

بعض دستاویزات سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے باب میں حکومت حیدرآباد دکن کا رویہ عجیب و غریب تضادات کا شکار تھا۔ ۱۹۲۹ء میں، جب علامہ اقبال مدراس لیکچر کے لیے جا رہے تھے، انہیں حیدرآباد میں بہ معاوضہ ایک ہزار روپے تین لیکچر دینے کی دعوت دی گئی، مگر ان کے استقبال و قیام کے سلسلے میں مختلف محکموں کے درمیان جو کاغذی کارروائی ہوئی، اس سے پتا چلتا ہے کہ نامعلوم وجوہ کی بنا پر بعض وزرا اور اعیان حکومت علامہ کو سرکاری مہمان بنانے یا سرکاری سطح پر ان کا استقبال کرنے سے متفق نہیں تھے، اور بذات خود نظام نے بھی سرکاری مہمان خانے میں علامہ کے قیام کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔

اسی طرح ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال کی مالی امداد کے لیے نواب صاحب بھوپال کی طرف سے تحریک کی گئی تو سر مہدی یار جنگ نے ان کے اچھے شاعر ہونے میں شبہ ظاہر کیا اور کہا کہ ریاست کی آمدنی کم ہو رہی ہے اس لیے اس کا ایک حبہ بھی باہر بھیجنا جرم ہے۔ مگر اقبال کی وفات کے بعد ڈاکٹر مظفر الدین قریشی نے ان کے پس ماندگان کے لیے ریاست کی جانب سے مالی اعانت کی تجویز پیش کی، اور یہ تجویز دفتری کارروائیوں کے دوران میں انہیں مہدی یار جنگ کے پاس پہنچی تو انہوں نے بیوہ کے لیے تیس روپے ماہوار کی اعانت کو بڑھا کر پچاس روپے ماہوار کر دینے کی سفارش کی۔

۱۹۴۳ء میں جب حیدرآباد دکن میں علامہ اقبال کی ایک یادگار قائم کرنے کی تجویز ہوئی تو جناب تمکین نواز جنگ معتمد باب حکومت نے ایک مراسلے کے ذریعے "اقبال، شاعر پنجاب" کے سلسلے کے کاموں میں سرکاری ملازموں کو شریک نہ ہونے کی ہدایت کی۔

یوم اقبال منانے کے لیے سرکاری ٹاؤن ہال استعمال کرنے کی اجازت ناگواری کے ساتھ دی گئی اور یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ "ہر سال ایسا ممکن نہیں ہوگا"۔ علامہ اقبال کے بارے میں نظام حکومت کی یہ پالیسی اور حکومت کے اعیان و اکابر کے طرز عمل کا سبب غالباً وہ دفتریت، سرخ فیتہ (بیوروکریسی) اور وہ درباری فضا اور سازشی ماحول تھا، جس نے پورے نظم حکومت کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ البتہ سر اکبر حیدری اور مہاراجہ سرکشن پرشاد کو اقبال کے سچے خواہوں اور حقیقی قدر دانوں میں شمار کرنا چاہیے۔

ایک دستاویز کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال اور لالہ رام پرشاد کی مشترکہ تالیف "تاریخ ہند" چند سال تک نصابی کتاب کے طور پر رائج رہنے کے بعد نصاب سے خارج کر دی گئی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر گیان چند کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ "اس کتاب کا ذکر پہلی بار کیا جا رہا ہے" (ص ×۱) اور نہ یہ کہ یہ ایک "تاریخ ساز دریافت ہے"۔ متذکرہ "تاریخ ہند" کا ذکر تقریباً اٹھارہ برس پہلے مرحوم بشیر احمد ڈار نے "انوارِ اقبال" میں کیا تھا (انوارِ اقبال میں کتاب کے سرورق کا عکس بھی شامل ہے) ڈاکٹر گیان چند کی یہ بات بھی نئی نہیں کہ "شبہ ہوتا ہے کہ یہ رام پرشاد جی کا کارنامہ ہے۔ جس میں اقبال کا نام بحیثیت شریک مؤلف ڈال دیا گیا ہے" کیوں کہ راقم الحروف نے پانچ سال پہلے لکھا تھا کہ "کتاب لالہ رام پرشاد کی تحریر کردہ ہے اور علامہ اقبال کا، بجز سرورق کے، کتاب کے مباحث و مندرجات سے کچھ علاقہ نہیں" (تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ص ۲۴۴)

بنیادی ماخذات میں رحیم بخش شاہین کا مضمون "اقبال کا ایک نادر مکتوب" (اقبال ریویو لاہور، جولائی) علامہ کے ایک انگریزی مکتوب بنام "نینسی آرنلڈ" کو سامنے لاتا ہے۔ راقم الحروف کے ایک مضمون "علامہ اقبال کے غیر مطبوعہ تعارف نامے" (اقبال ریویو، لاہور، جنوری) کو بھی اسی زمرے میں شمار کرنا چاہیے کیوں کہ یہ پانچ مختصر خطوط پہلی بار ضروری تعلیقات کے ساتھ منظرِ عام پر آگئے ہیں۔ ریاض حسین کے مضمون Two Rare Documents on Iqbaliat (اقبال ریویو لاہور، اپریل ۱۹۸۳ء) میں اوّل: علامہ اقبال کی ایک تقریر کی اخباری رپورٹ (ماخوذ از "پیسہ اخبار" ۲۸ مارچ ۱۹۱۱ء) شامل کی ہے، جو انھوں نے حبیبیہ ہال، اسلامیہ کالج لاہور میں سر آغا خان کی صدارت میں ۱۹ فروری ۱۹۱۱ء کو منعقدہ ایک جلسۂ عام میں کی تھی۔ یہ جلسہ اس مہم کا ایک حصہ تھا جس کے تحت مسلم اکابر، علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دلانے کے لیے کوشاں تھے۔ مہم کے تحت بیس لاکھ روپے کی فراہمی پیشِ نظر تھی۔ علامہ نے اس تقریر میں مسلمانوں کو ایک محمڈن یونیورسٹی کی ضرورت و اہمیت کا احساس دلایا۔ دوسری دستاویز مولانا محمد علی جوہر کے اخبار "کامریڈ" (۷ اکتوبر) میں شائع ہونے والا کسی گراموفون کمپنی کا ایک اشتہار ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ کمپنی نے علامہ کے قومی ترانے (چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا) پر مبنی ایک گراموفون ریکارڈ تیار کیا ہے۔ ترانہ علی گڑھ کے ایک خوش الحان مسلمان نے گایا ہے۔ ایک ریکارڈ کی قیمت ۳ روپے ہے اور اس کی ذاتی "آمدنی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ فنڈ میں جمع ہوتی رہے گی۔"

اقبالیات ۱۹۸۳ء کے حوالہ جاتی کاموں (Reference works.) میں "فرہنگِ اقبال" کا خاصا چرچا رہا۔ اندرونی نامٹل کے مطابق "علامہ اقبال کے چاروں اردو دواوین (بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، ارمغانِ حجاز) باقیاتِ اقبال اور اخبارات و رسائل میں مطبوعہ کلام اور ان کی وضع کردہ نو بہ نو معنی خیز ترکیبات کا یکجائی لغت" بھی ہے، نیز کلامِ اقبال کی تلمیحات، استعارات اور متعلقہ اشخاص کا مکمل انسائیکلوپیڈیا" بھی۔ اس کے مؤلف حضرت نسیم امروہوی ہیں، جو پیش لفظ نگار جناب رئیس امروہوی کے مطابق ایسے بزرگ ادیب شاعر ہیں جو "اصنافِ سخن کے ہر شعبے اور شعر و شاعری کے ہر زاویے میں نہ صرف درجۂ تکمیل پر فائز ہیں بلکہ ان کے مدارجِ کمال اور اعلیٰ ادبی صلاحیتوں میں کسی شک و شبہ کی گنجایش نہیں" اور ان کی عظمت مسلم اور ان کا علمی استناد ناقابلِ تردید ہے۔" "فرہنگِ اقبال" میں جناب مؤلف نے اپنی تحقیقی مہارت اور استنادی حیثیت سے کام لیتے ہوئے لغت اور انسائیکلوپیڈیا (جو اس ناچیز راقم کے خیال میں دو جداگانہ نوعیت کی چیزیں ہیں)

کا امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

راقم نے "فرہنگِ اقبال" کو ایک عام قاری کی نظر سے دیکھا، اور یہ سمجھنے میں ناکام رہا کہ مصنف کا منصوبہ کیا تھا! اس وضاحت کے باوجود کہ یہ لغت بھی ہے اور انسائیکلوپیڈیا بھی، یہ احساس ہوتا ہے کہ فرہنگِ اقبال کی نوعیت کے متعلق مؤلف کا اپنا ذہن بھی صاف اور یکسو نہیں تھا۔ یہ ایک مخصوص لغت ہے اس میں قطعی عام الفاظ (جن میں بعض اسمار ہیں، بعض افعال اور بعض ضمائر) کی شمولیت بلا جواز نظر آتی ہے۔ مثلاً: اب، اُن، اخرٹ، آیا ہے، او، مصیبت، پگڑی، چلنا، چلانا، مصیبت، رضائی، اشیاء، کیسے، بسکٹ، آلو، گلہری، مکھی، مکڑا، کیڑا، چوہا، شکست، چمن، بیوی وغیرہ۔ یہ الفاظ ایسے ہیں جن کا معنی کم پڑھے لکھے قارئین بلکہ پرائمری سطح کے بچوں تک کو معلوم ہیں، پھر یہ لغت کی عام کتابوں میں بھی مل جاتے ہیں۔ کیا اقبال نے ایسے الفاظ کو، ان کے عام لغوی اور مروجہ معنوں سے ہٹ کر کسی اور مفہوم میں استعمال کیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے (اور فی الواقع ایسا نہیں) تو پھر اس بے معنی مشقت سے کتاب کو گراں بار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اسی طرح یہ نہیں سمجھ سکا کہ صدیقی پریس اور الٰہ آباد ایسے اِکّے دُکّے معروف کو فرہنگِ اقبال میں شامل کرنے کی کیا تک تھی۔ کچھ یوں نظر آتا ہے کہ مصنف، علامہ اقبال کے ہاں مستعمل الفاظ پر مبنی لغت تیار کرنا چاہتے تھے مگر بعد ازاں انہیں اسی میں انسائیکلوپیڈیا داخل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس طرح جو ملغوبہ تیار ہوا، وہ نہ لغتِ اقبال کے تقاضے پورے کرتا ہے اور نہ یہ پورے طور پر اقبال انسائیکلوپیڈیا ہے۔ عدم توازن کئی جگہ نمایاں ہے۔ نظموں کے عناوین کے تحت ہر نظم کا تعارفی نوٹ دیا گیا ہے۔ مگر کہیں صرف چند سطری اور کہیں ۱/۲ کالمی تفصیل (التجائے مسافر ص ۲۹،۳۸؛ آرنلڈ اور داغ دونوں اقبال کے استاد تھے۔ آرنلڈ کے اقبال پر اثرات، داغ سے کہیں زیادہ ہیں مگر آرنلڈ پر چند سطری نوٹ کے مقابلے میں داغ کا تعارف ۱/۲ کالم میں پھیلا ہوا ہے) اقبال کے اردو کلام میں مذکور فارسی اشعار کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے، مگر اس سے زیادہ اہم بات (اور یہی مطلوب تھا) کہ فارسی شعر کس کا ہے؟ نہیں بتائی گئی۔ یہ کام ذرا تحقیق طلب تھا، اس لیے مصنف نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ بعض بنیادی معلومات جو بآسانی درج ہو سکتی تھیں، ان کے مہیا کرنے کا تردّد نہیں کیا، مثلاً نظم "والدۂ مرحومہ کی یاد میں" کے ذیل میں یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ والدۂ اقبال کا نام کیا تھا اور ان کا انتقال کب ہوا؟ "بانگِ درا" کی نظم "پھول کا تحفہ عطا ہونے پر" کے بارے میں لکھتے ہیں: "یہ ایک رومانی نظم ہے۔ جستجو کے باوجود یہ پتا نہیں مل سکا کہ اس تجربہ کا حدود اربعہ کیا تھا۔ جس نے تحفے کے طور پر پھول پیش کیا تھا" (ص ۱۰۷) اس نظم کا سیاق و سباق، حیاتِ اقبال کا معلوم و معروف واقعہ ہے، مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پوتی راج کماری بامبا نے شالا مار باغ میں اقبال کو ایک عصرانے میں مدعو کیا تھا، جس میں بامبا کی آسٹرین سہیلی فراولین گوٹشین نے باغ سے ایک پھول توڑ کر اقبال کی خدمت میں پیش کیا اس واقعہ کا ذکر "زندہ رود" (اوّل، ص ۱۹۴) میں موجود ہے۔

معلوم نہیں، امروہوی صاحب کہاں جستجو کرتے رہے اور اس جستجو کا حدود اربعہ کیا تھا۔ بعض معلومات صریحاً غلط ہیں، مثلاً سمرقند کو ایران کا شہر بتایا گیا ہے۔ حبشہ کو ایک مقام قرار دیا گیا ہے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت ابوذرؓ غفاری کی وفات کے وقت، سوائے ایک بیٹی کے، کوئی اور موجود نہ تھا۔ آپ کی اہلیہ بھی حیات تھیں اور حین وفات ربذہ میں حضرت ابوذر کے پاس موجود تھیں۔ بعض الفاظ و اسمار کی تشریح میں مصنف کا رویہ خاصی لاتعلقی کا ہے، مثلاً حضرت ابراہیم کا ذکر یا

حضرت ابوبکرؓ صدیق کا تذکرہ جن کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ رسولؐ پاک کے پہلے خلیفہ مانے گئے ہیں" ایماں مانے گئے ہیں" فاضل مصنف اور صحیح خیز ہے) نظم "محراب گل افغان کے افکار" کے متعلق امروہوی صاحب نے بتایا ہے کہ اس میں علامہ نے افغانی شیروں کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ سرحد اور افغانستان کے پٹھان ہی انگریزوں کی سرکوبی کر سکتے ہیں۔ مگر محراب گل کے فرضی کردار کے لیے صاحب فرہنگ نے جو مماثلت تلاش کی، وہ فسانۂ آزاد کے میاں آزاد اور خوجی کی ہے۔ اس سے اندازہ نہیں ہوتا کہ اس مشابہت کے ذریعے محراب گل کی تحقیر مقصود ہے یا اقبال کی سادہ لوحی کو نمایاں کرنا ہے۔ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ تخلیقِ آدم کے بعد اللہ تعالیٰ نے، فرشتوں کے مقابلے میں آدم کی فوقیت و ترجیح کی ایک صورت یہ پیدا کی کہ **عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا**۔ علامہ نے "ضرب کلیم" کی نظم "ذکر و فکر" میں "علّم الاسما" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ "فرہنگ اقبال" میں مصنف، علّم اٰدم الاسمار کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اسما سکھا دیے، اس سے مراد محمدؐ اور آل محمدؐ کے اسمائے گرامی ہیں، جو سرچشمۂ علوم ہیں اور جن کا عشق فتح یاب ہے۔ ع وہ جس کی شان میں آیا ہے علّم الاسمار" گویا ایک تیر سے دو شکار۔ کلام اقبال کے ساتھ، کلام الٰہی کی بھی نئی اور نرالی تعبیر کلام اقبال کی تفسیر کا ذکر آیا تو مصنف کی ایک اور تشریح ملاحظہ کیجیے۔ "بالِ جبریل" کی ایک غزل کا شعر ہے

محمدؐ بھی ترا جبریل بھی، قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

اس شعر کی تشریح میں شارحینِ اقبال کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ "حرفِ شیریں" سے بعض نے کلامِ اقبال مراد لیا ہے، بعض نے جذبۂ عشق اور بعض نے کلامِ الٰہی۔ "فرہنگِ اقبال" میں "حرفِ شیریں" سرے سے موجود ہی نہیں ہے، اس کے بجائے ایک اور ترکیب "شیریں ترجماں" (ص ۵۰۸) درج کی گئی ہے۔ اس کو دیکھ کر کھلا کہ فاضل مصنف ع مگر یہ حرفِ شیریں، ترجماں تیرا ہے یا میرا۔ میں "شیریں ترجماں" کو ایک ترکیب سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور اس کا معنی بتایا ہے۔ "میٹھے بیان والا" فصیح و بلیغ۔ "بانگ درا" کے ایک مصرعے، "کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں" کے بارے میں صاحب فرہنگ کا خیال ہے کہ اس میں حقیقتِ منتظر سے مراد "امامِ غائب" ہے۔ یہ ایسی تفسیر ہے جس تک اقبال کے کسی اور شارح کا ذہن نہیں پہنچ سکا۔

"فرہنگِ اقبال" کے پیش لفظ میں رئیس امروہوی صاحب نے بعض دعوے بھی کیے ہیں، مثلاً: "زیرِ نظر فرہنگ میں علامہ کے وہ تمام اشعار و منظومات، جو رسائل و اخبارات میں ان کی حیاتِ مستعار کے دوران، ان کی مرضی سے شائع ہوئے تھے، اور اب ان کے دواوین میں نظر نہیں آتے، یک جا کر دیے گئے ہیں" (ص ۵) یہ قطعی ایک خلافِ حقیقت دعویٰ ہے۔ علامہ کا متروک کلام، جو انھوں نے اپنے کسی شعری مجموعے میں شامل نہیں کیا "باقیاتِ اقبال" کے نام سے ایک ضخیم مجموعے کی صورت میں یکجا موجود ہے۔ فرہنگِ اقبال میں اس کا عشیرِ عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ پیش لفظ میں، جس کا ضمنی عنوان ہے: "کچھ تشریحات، کچھ انکشافات" یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ: "بالِ جبریل میں فلسفہ نہ ہونے کے برابر ہے اور شعریت بھرپور۔ اس کے برعکس ضرب کلیم میں فلسفہ ہی فلسفہ ہے اور شعریت خال خال"۔ پھر آگے چل

کر یہ بے جا اعتراض سامنے آتا ہے: "اب تک اقبال کے جو مجموعے شائع ہوئے ہیں، ان سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اردو شاعری کے لحاظ سے اردو ادب میں ان کا کیا مقام ہے؟ انہوں نے اپنے خیالات کی ترجمانی کے لیے کیا کیا تراکیب اختراع کیں اور اردو لفظیات میں کیا کیا اضافے کیے؟" گویا مؤلف موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خود اقبال اپنے کلام کے ذریعے تو یہ نہیں بتا سکے کہ اردو شاعری میں ان کا کیا مقام ہے، اب آپ چاہیں تو "فرہنگ اقبال" کے ذریعے اقبال شناسی کا شعور حاصل کر سکتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی "فرہنگ اقبال" ایک مایوس کن کتاب ہے۔

مقبول انور داؤدی کی "مطالب اقبال" اس سلسلے کی دوسری کتاب ہے۔ سرورق پر یہ عبارت درج ہے۔ "تفہیم کلام اقبال کے ساتھ ساتھ، ان اہل علم کا مختصر تذکرہ، جن کا ذکر کلام اقبال میں ملتا ہے" مؤلف نے دیباچے میں بتایا ہے کہ یہ کتاب عام قاری کی ان دقتوں کو دور کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے، جو اسے مطالعۂ اقبال میں پیش آتی ہیں اس کا بنیادی ڈھانچا "فرہنگ اقبال" سے مختلف نہیں، مگر اس میں غیر ضروری الفاظ شامل کرنے سے احتراز کیا گیا ہے اور ہر لفظ کے ساتھ "فرہنگ اقبال" کی طرح کلام اقبال سے کوئی مصرع یا شعر درج کرنے کا تکلف بھی نہیں کیا گیا۔ یہ لغت کسی ادعا کے بغیر، ایک سادہ سی کتاب کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ لسانی تحقیق کے چکر میں پڑے بغیر مختلف الفاظ و اصطلاحات اور تراکیب و تلمیحات کی مختصراً وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس میں کچھ تسامحات بھی ہیں اور کہیں کسی قدر عدم تناسب و توازن بھی۔ مگر ایک عام قاری کے لیے یہ کتاب خاصی مفید ہے۔ "مطالب اقبال" کا معیار طباعت و پیش کش، اوّل الذکر کتاب کے مقابلے میں کہیں برتر ہے۔ لیکن ضخامت (۲۶۸ صفحات) کو دیکھیں تو قیمت (۱۵۰ روپے) خاصی زیادہ بلکہ بہت ہی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

ان دونوں کتابوں کو دیکھتے ہوئے یہ احساس تازہ ہو جاتا ہے کہ لغت اور انسائیکلوپیڈیا کے موضوعات پر مستند اور جامع تحقیق کی اشد ضرورت ہے۔ یہ موضوعات لغت نگاروں خصوصاً ماہرین و متخصصین اقبال کو آج بھی دعوت مبارزت دے رہے ہیں۔

پروفیسر صابر کلوروی کی مرتبہ "اشاریہ مکاتیب اقبال" (ناشر: اقبال اکادمی پاکستان لاہور)، حوالہ جاتی کاموں کے سلسلے کی کتاب ہے۔ کلوروی صاحب متخصصین اقبال میں زیادہ معروف نہیں مگر وہ اقبالیات پر ٹھوس کام پیش کر رہے ہیں۔ زیر نظر اشاریہ، ایک اہم ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اگر آپ معلوم کرنا چاہیں کہ مکاتیب اقبال کے تیرہ اردو و انگریزی مجموعوں میں کسی خاص شخصیت، کتاب، موضوع، ادارے، شہر یا نظم کا ذکر کہاں مل سکتا ہے۔ تو یہ اشاریہ آپ کی دستگیری کرتا ہے۔ اس کتاب میں سنہ وار خطوط کا ایک جامع اشاریہ اور اقبال کے مکتوب الیہم کا اشاریہ بھی شامل ہے۔ یہ کتاب اقبالیات کے حوالہ جاتی کاموں میں ایک بڑی کمی کو پورا کرتی ہے اور اس طرح کے بہت سے دیگر مطلوبہ کاموں کا ایک نمونہ بھی پیش کرتی ہے۔ حوالے کے کاموں کے ضمن میں قاضی افضل حق قرشی نے مجلہ اقبال ریویو لاہور کے انگریزی مقالات کا اشاریہ پیش کیا (اقبال ریویو، شمارہ اکتوبر) اردو مقالات کا اشاریہ انہوں نے گذشتہ برس شائع کیا تھا۔ (اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء) اس برس پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے زیر اہتمام ایم۔ اے اردو کی طالبہ شگفتہ شبنم نے

تنقیدِ اقبال کے اہم تصورات کا توضیحی "اشاریہ" کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ تیار کیا، جو فکرِ اقبال کے دس اہم موضوعات (خودی و بے خودی، عقل و عشق، مردِ مومن، نظریۂ فن، تعلیم، مغرب، تصوف، فقر، وطنیت و قومیت، ذہنی ارتقا) پر اردو کتابوں کے مقالات و مباحث کا توضیحی اشاریہ ہے۔ اقبال کی موضوعاتی کتابیات یا اشاریے کی جانب یہ پہلا قدم ہے۔

تحقیقی مقالوں کا ذکر آیا تو بتاتا چلوں، کہ اس برس پانچ مقالے ایم اے اردو کے امتحان کے لیے اور ایک مقالہ پی ایچ ڈی کے لیے مکمل کیا گیا۔ پروفیسر صدیق جاوید نے "فکرِ اقبال کا عمرانی مطالعہ" کے عنوان سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ پنجاب یونیورسٹی میں داخل کیا۔ شاقب نفیس اور شگفتہ شہناز کے ایم اے کے مقالوں کا ذکر اوپر آچکا۔ مزید تین مقالے یہ ہیں۔

۱۔ بانگِ درا کی بعض نظموں کا واقعاتی پس منظر — از صبیحہ شاہین

۲۔ کلامِ اقبال (اردو) کی شرحیں — از خالدہ جبیں

۳۔ بچوں کا شاعر — اقبال — از شگفتہ بانو

اوّل الذکر دو مقالے پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے اردو کے امتحان کے لیے اور موخر الذکر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے ایم اے اردو کے امتحان کے لیے تیار اور پیش کیا گیا۔

***

تحقیقی کاوشوں سے آگے بڑھتے ہوئے، اقبال پر لکھی جانے والی تنقیدی کتابوں پر نظر ڈالیں تو سب سے پہلے ڈاکٹر جاوید اقبال کی "زندہ رود" پر نظر پڑتی ہے، جو معروف معنوں میں تنقیدی نہیں بلکہ تحقیقی سوانحی کتاب ہے۔ حیاتِ اقبال کے تشکیلی دور اور وسطی دور سے متعلق اس کے پہلے دو حصوں کے بعد، اختتامی دور پر مشتمل یہ حصہ جنوری ۱۹۲۶ء (جب اقبال نے پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے انتخابات میں حصّہ لیا) سے اقبال کی وفات تک کی مدت میں ان کی نجی زندگی اور ان کے ذہنی و فکری ارتقا کے جائزے پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے لیے علامہ کی زندگی پر قلم اٹھانا ایک وقت آسان بھی تھا اور مشکل بھی بعض ایسے وسائل اور دستاویزات و مسودات ان کی دسترس میں تھے، جن تک کسی اور مؤلف کی رسائی قریب قریب ناممکن تھی، مگر اپنی مخصوص نسبت و حیثیت کی وجہ سے بعض امور پر خامہ فرسائی ان کے لیے خاصی نازک ذمہ داری بھی تھی۔ اطمینان بخش پہلو یہ ہے کہ انھوں نے ایک سوانح نگار کی نازک ذمہ داریوں سے انحراف نہیں کیا۔ اقبال کی سوانح کے بعض پہلوؤں کے بارے میں، لکھنے والے یا تو تاثرات و تعصبات کا شکار ہو جاتے ہیں یا پھر سرسری گزر جاتے ہیں۔ اقبال کی پہلی بیوی، ازدواجی زندگی کا بحران، عطیہ بیگم، مے نوشی، ایک طوائف کا قتل، حیاتِ اقبال کے اہم اور ساتھ ہی نازک موضوعات و الزامات ہیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے ان سے آنکھیں بند کر کے سرسری گزرنے کے بجائے ان پر بحث کی اور اس ضمن میں ان کا نقطۂ نظر خاصا معروضی ہے۔

سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن نے "زندہ رود" کے ان مباحث کے بارے میں بجا طور پر لکھا ہے کہ:

"ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے پاؤں کے چھالوں میں بہت سے کانٹے پڑے تھے۔ ان کو ان کے فرزند ارجمند نے نوکِ سوزن سے نکالا ہے۔"

عطیہ فیضی نے اقبال کے بارے میں لکھا ہے کہ اقبال غیر معمولی ذہانت و قابلیت کے شخص تھے، مگر ہندوستان پہنچ کر، اپنے مخصوص ماحول اور حالات کی بنا پر انہیں گھُن سا لگ گیا، حالانکہ وہ بہت کچھ بن سکتے تھے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے عطیہ بیگم کے اس طرزِ فکر کا تجزیہ کرتے ہوئے بڑا حقیقت پسندانہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ اس مرحلے سے گزرتے یا نہ گزرتے، بنا انہوں نے وہی کچھ تھا، جو بالآخر وہ بنے۔ مصنف نے زیرِ نظر تیسرے حصے میں بھی اقبال کے نجی حالات، خانگی ماحول اور ان کی افتادِ طبع بچوں سے ان کے رویے، بچوں کے متعلق ان کی فکر مندی، احباب کی محفل، گھریلو اخراجات، خاندان کے لوگوں اور جاوید منزل کے شب و روز سے متعلق بہت سی نئی باتیں اور بہت سے نئے واقعات پیش کیے ہیں۔ اسی طرح اقبال کی سوانح سے متعلق بعض غلطیوں، غلط بیانیوں اور غلط فہمیوں کی تردید بھی کی ہے۔ اس اعتبار سے "زندہ رود" کی ایک حیثیت اقبالیات کے بنیادی ماخذ کی ہے۔

تاہم اس کتاب کا دوسرا پہلو بھی کم اہم نہیں، جس میں اقبال کی شخصیت کا ایک سیاسی راہنما اور سیاسی مفکر کی حیثیت سے جائزہ لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے علامہ کے ذہنی و فکری ارتقاء پر ایک وسیع علمی، معاشرتی اور سیاسی پس منظر کے ساتھ بحث کی ہے۔ تصورِ پاکستان کے حوالے سے حال ہی میں تھامپسن اور راغب احسن کے نام خطوط کی روشنی میں جو بحث اٹھائی گئی اور جس میں بھارت کے نیشنلسٹ اہلِ قلم پیش پیش ہیں، مصنف نے تاریخی حقائق کی روشنی میں اس کا تجزیہ کیا اور اس ضمن میں پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں اور کج فکریوں کے جھاڑ جھنکار کو خاصی حد تک صاف کر دیا ہے۔

"زندہ رود" کی اس تیسری جلد کو پڑھتے ہوئے، علامہ اقبال کی بھرپور متحرک، توانا اور فعال شخصیت سامنے آتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے انہوں نے نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں، بلکہ پوری امتِ مسلمہ کے لیے عظیم الشان فکری خدمت انجام دی ہے، اور ہم ان کے عظیم احسان سے کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال نے "زندہ رود" مکمل کر کے اپنے اوپر ایک بڑا قرض چکا دیا ہے، اور اقبال کی بیاگرافی کے حوالے سے اقبالیاتی ادب کی تہی دامنی کو مالا مال کیا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو "زندہ رود" کی پچھلی دو جلدوں کی طرح یہ جلد بھی اقبالیاتی ادب میں ایک اچھوتا اضافہ ہے، اور علامہ اقبال کی نجی اور فکری زندگی سے حقیقی معنوں میں شناسائی کے لیے ایک کلید کی حیثیت رکھتی ہے۔ (فلیپ کی عبارت)

ڈاکٹر سید عبداللہ کا مجموعۂ مقالات "مطالعۂ اقبال کے چند نئے رخ" کے عنوان سے شائع ہوا ہے اس میں ان کے بیس اردو اور سات انگریزی مقالے شامل ہیں۔ ترسیاتِ مطالعۂ اقبال کے ضمن میں انہوں نے البیرونی اور ابنِ خلدون اور علامہ اقبال کے ذہنی روابط کا سراغ لگایا ہے۔ سید صاحب کے خیال میں دونوں اکابر اقبال کے ممدوح مصنف ہیں علامہ نے ان کے نظریات سے استناد کیا ہے اور استفادہ بھی۔ ایک اور مقالے میں سید صاحب نے علامہ اقبال کی اس رائے

[ہندوستان کی جملہ ادبیات اختلاط کی پیداوار تھیں] پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہند کے جملہ ادب کو منفی یا اختلاطی نہیں کہا جاسکتا، اس ملک کے ادبیات میں ایک اثباتی قوت بھی متوازی نظر آتی ہے۔ بعض دیگر مقالوں کے عنوان یہ ہیں: اقبال کے کلام میں حرم کا تصور۔ اقبال کی تنقید مغرب اور اس کی معنویت۔ اقبال کا مردِ یقین۔ اسلامی فقہ کی تدوینِ نو، علامہ اقبال کی نظر میں۔ رمزِ ہجرت علامہ اقبال کی نظر میں۔ اقبال اور صوفی۔ غایتِ حیات، علماء اور حکمائے اسلام کی نظر میں۔ اقبال کے غیر ملکی مدّاح اور نقاد۔ یہ علمی مقالات، سید صاحب کے برسوں کے غور و فکر اور علمی تدبر کا ماحصل ہیں۔ البتہ ان میں کہیں کہیں اس ربط و تسلسل کی کمی محسوس ہوتی ہے، جو ایک علمی مقالے کا خاصہ ہوتی ہے، درمیان میں وقفوں کی سی کیفیت نظر آتی ہے ممکن ہے اس کا سبب یہ ہو کہ بیشتر مقالات بعض علمی مجالس یا کانفرنسوں میں پڑھے یا پیش کیے گئے۔ مقالات کے علاوہ حصۂ "شذرات" میں اقبالیات سے متعلق مصنّف کے انٹرویو، بعض کتابوں پر ان کے دیباچے اور چند تبصرے جمع کیے گئے ہیں۔ سید صاحب ہمارے ان اقبالی نقادوں میں سرِفہرست ہیں، جو نہ صرف عربی و فارسی کے فاضل ہیں بلکہ جملہ مشرقی ادبیات پر نہایت گہری نظر رکھتے ہیں اور ایسے بزرگ فی الواقع مغتنمات میں سے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں جو چیز قاری کو خصوصیت سے متوجہ کرتی ہے، وہ سید صاحب کا مغربی مفکرین اور حکمار کا مطالعہ ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مغربیوں کے اس کثرت سے حوالے لیے ہیں کہ ان کی دیگر تصانیف میں یہ صورت نہیں ملتی۔ ہر مقالے کے آخر میں توضیحِ مزید کے لیے مفصّل حواشی لیے گئے ہیں۔ بالیقین سیّد صاحب کے اس مجموعۂ مقالات کو اقبالی تنقید میں بلند مقام حاصل ہوگا۔

چوہدری مظفر حسین صاحب نے علامہ اقبال سے متعلق بالکل ایک نئے، بلکہ اچھوتے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ کتاب کا عنوان ہے: "اقبال کے زرعی افکار" کہا جائے کہ اقبال نے زرعی مسائل میں بھی ہماری راہنمائی کی ہے تو ردِ عمل بالعموم خندۂ استہزا کی صورت میں سامنے آتا ہے، مگر زیرِ نظر کتاب پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ اس نوع کا ردِ عمل ظاہر کرنے والے قارئین، اقبال کے افکار سے بے بہرہ ہیں یا پھر اس کے سطحی بین قاری ہیں۔ فی الحقیقت اقبال کسان اور زراعت سے غیر معمولی دلچسپی اور لگاؤ رکھتے تھے۔ کاشت کار کی مظلومیّت اور مفلوک الحالی انہیں مضطرب اور بے چین رکھتی اور اس ضمن میں بسا اوقات وہ جذباتی، بلکہ کبھی کبھی انتہا پسند اور انقلابی نظر آتے ہیں۔ مصنّف کی تحقیق یہ ہے کہ اقبال، زمین کو "ملکیّت" کے بجائے "متاع" سمجھتے تھے۔ جو صرف ایک مختصر مدّت کے لیے انسان کو برائے استفادہ و انتفاع بہ قدرِ محنت دی گئی ہے۔ ان کے خیال میں الارضُ لِلّٰہ کے معنی یہ نہیں کہ زمین کی ملکیّت حکومت کی ہے۔ علامہ اقبال روسی اشتراکیت کے طرز پر زمین کو قومیانے کے حق میں نہ تھے بلکہ اس مسئلے پر وہ قرآنِ حکیم کے آفاقی نقطۂ نظر کے قائل تھے۔ مصنف کہتے ہیں کہ اقبال اس دور کے پہلے مفکر ہیں، جنہوں نے زراعت کے شعبے پر اسلامی نقطۂ نظر سے غور و فکر کیا اور اس کے جو نتائج پیش کیے وہ زرعی منصوبہ بندی اور زرعی توسیع کے لیے اساس کا کام دے سکتے ہیں۔

چودھری مظفر حسین ایک وسیع المطالعہ مصنف ہیں، وہ زرعی امور و مسائل اور مختلف ممالک کی زرعی صورت

حال پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے صنعتی زراعت کے مضر اثرات اور ٹیکنالوجی سے پیدا ہونے والے سنگین مسائل کی نشان دہی کی ہے مصنف نے بتایا ہے کہ متعدد ممالک میں بعض دانش وروں کی فکری راہنمائی میں زرعی ترقی میں بڑی مدد ملی ہے۔ ہم بھی علامہ اقبال کے افکار کو مشعلِ راہ بنا کر زرعی پیش رفت کے گراف کو بہت اونچا لے جا سکتے ہیں اس ضمن میں پہلے تو ایک تعلیمی و تبلیغی تحریک کے ذریعے زمین کے "متاع" ہونے کے تصور کو عام کیا جائے۔ بعد ازاں امداد باہمی کے اصول پر اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جائے۔

شیخ محمد علی کی کتاب "نظریات و افکارِ اقبال" کو ناشر نے "ایک اعلیٰ تحقیقی کاوش" کے طور پر پیش کیا ہے، جو ادارے کے الفاظ میں " اقبالیات میں ایک اہم اضافہ اور اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے ایک مستند حوالہ" ہے۔ مگر ناشر کے دعووں سے قطع نظر بھی اپنی ضخامت (۳۳۳ صفحات) اور فلیپ کی ان آرار کی بدولت یہ کتاب پہلی نظر میں ناظر کو مرعوب کرتی ہے۔ اور وہ آرار یہ ہیں:

"اقبال پر اب تک سیکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اور آیندہ بھی لکھی جائیں گی۔ لیکن ایسی کتابیں بہت کم ہیں جن میں فکرِ اقبال کے دریا کو اس طرح کوزے میں بند کیا ہو، جیسے شیخ محمد علی نے اپنی کتاب "نظریات و افکارِ اقبال" میں کیا ہے۔ ایک صاف ذہن مصنف، محنت سے جمع کیے ہوئے مواد کو سلیقے کے ساتھ ایک خوب صورت لڑی میں پرو کر صاف اسلوب میں بیان کر رہا ہے۔ نظریات و افکارِ اقبال بہ ہمہ وجوہ یقیناً ہماری توجہ کی مستحق ہے۔" (ڈاکٹر جمیل جالبی)

"یہ کتاب فکرِ اقبال کی تشہیر کے مقصد کو خوبی سے پورا کرتی ہے۔ [اسے] اقبالیاتی ادب میں نمایاں اضافہ سمجھا جائے گا۔" (ڈاکٹر جاوید اقبال)

"علامہ اقبال کے افکار و نظریات پر اردو، انگریزی اور دنیا کی دیگر زبانوں میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور ابھی لکھا جائے گا۔ شیخ محمد علی نے کئی سال کے گہرے مطالعے کے بعد اس دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے سیاست، تعلیم، فلسفۂ خودی، تصوف، اسلام اور عشقِ رسولؐ کے موضوعات پر علیحدہ علیحدہ سیر حاصل بحث کرنے کے بعد فکرِ اقبال کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ یوں مطالعہ اقبال کو صریح الفہم بنا دیا ہے۔" (محمد عبداللہ قریشی)

یہ آرار ہمیں اس کتاب کی اہمیت کا احساس دلاتی ہیں۔ مصنف نے اقبال کی مبلغِ اسلام اور عاشقِ رسولؐ کی حیثیت کو اپنی تحریر کی اساس بنایا ہے، قرآن و حدیث کے بکثرت حوالے اُن کے وسعتِ مطالعہ کی شہادت دیتے ہیں۔ امتِ مسلمہ کے زوال و انحطاط کا انہیں گہرا احساس ہے اور اس کا مداوا، انہیں فکرِ اقبال کی تقلید میں نظر آتا ہے۔ شیخ محمد علی نے اقبال کی ادبی اور شاعرانہ حیثیت سے بحث نہیں کی۔ ان کا اسلوب بھی ادبی یا تنقیدی نہیں تشریحی اور توضیحی ہے۔ اور اس توضیح و تشریح میں انہوں نے راست فکری سے انحراف نہیں کیا۔ بس یہ بات محلِ نظر ہے کہ افکارِ اقبال کی وضاحت کے لیے کیا اس قدر طوالت ضروری تھی۔ اسی سبب سے یہ کتاب بہت گراں لگتی ہے

(قیمت : ایک سو روپے)

"اقبال۔ ایک نیا مطالعہ" کے مصنف ثاقب رزمی ایک خاص نقطۂ نظر کے مالک ہیں، اور انہوں نے اقبال کو بھی اسی مخصوص عینک سے دیکھا ہے۔ رزمی صاحب نے "حرفِ اول" میں اقبال کو اوّل و آخر مسلمان قرار دینے کے بعد، اس اجمال کی جو تفصیل پیش کی، وہ کچھ یوں ہے کہ اقبال "روحِ عصر کا سپوت" ہے (اور روحِ عصر ان کے نزدیک نام ہے سرویت اشتراکی انقلاب، سرمایہ و محنت کی آویزش اور طبقاتی شعور کا) پھر مصنف کے مطابق اقبال کا سارا اندازِ نظر، اس کی ترقی پسندی کی دلیل ہے (اور ترقی پسندی کی اصطلاح یہاں انجمن ترقی پسند مصنفین کے حوالے سے استعمال کی گئی ہے)، اس طرح ان کے الفاظ میں "جہاں تک انسانی زندگی کے ارتقا کا تعلق ہے، اقبال عقل کو تمام انسانی زندگی کا سرچشمہ خیال کرتا ہے" (ص ۹۳) آخر میں انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اقبال کی ساری شاعری اور اس کے سارے فلسفے کا محور ہی لاطبقاتی معاشرے کا قیام ہے، اور وہ ایک لاطبقاتی معاشرے کا داعی تھا۔ علامہ اقبال کی جیسی Conversion انہوں نے فرمائی ہے، وہ اس پرانی پارٹی لائن کے عین مطابق ہے کہ اگر تم اقبال کو Condemn نہیں کر سکتے، تو اسے Convert کر دو۔ خیر سے کتاب کے تقریظ نگاروں میں پروفیسر ممتاز حسین بھی شامل ہیں، جن کے الفاظ میں "اقبال کی فکر جدلیاتی ہے"۔ پیش لفظ نگار پروفیسر محمد عثمان نے اس کتاب کو "صداقت آفریں اور اثر آفریں تحریر" قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ "اس مقالے میں ثاقب نے لگی لپٹی رکھے بغیر اور ایک دل کش ایجاز سے کام لیتے ہوئے انقلابی اقبال کو ہمارے سامنے ایسے مربوط اور مؤثر طریق سے پیش کیا ہے کہ قاری بے اختیار کہہ اٹھے کہ اگر اقبال ہے تو یہ اقبال ہے"۔ اس کے ساتھ ہی پروفیسر موصوف نے مصنف کے اسلوب کی ایک خوبی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "تحریر کا کمال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک ہمہ جہت شخصیت کی ایک جہت کو کامیابی کے ساتھ یوں پیش کیا جائے کہ اس پر پوری شخصیت کا گمان ہو"۔ یہ بلیغ اشارہ قابلِ داد ہے۔ پروفیسر عثمان صاحب مصنف کی جس خوبی کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرا رہے ہیں، فی الحقیقت وہی ان کی بنیادی خامی ہے کہ وہ اقبال کی ہمہ جہت شخصیت کی یک رخی اور جزوی تصویر پیش کر رہے ہیں مصنف کا فکری سرچشمہ کیا ہے؟ اس کا اندازہ ان کے اس طرح کے خیالات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مثلاً "معاشی پہلو انسان کے اخلاقی اور تہذیبی پہلوؤں کی اساس ہے، جس سے انسانی رویے کے تمام سوتے پھوٹتے ہیں" "زندگی کی معاشی اساس کو مکمل مساوات پر استوار کیے بغیر انسانی معاشرہ فلاح و خیر اور معاشرتی پاکیزگی کے راستے پر کبھی گامزن نہیں ہو سکتا" (ص ۴۶) اسی طرح یہ کہ "انسان کا اخلاقی نشاۃِ ثانیہ کا بورژوا نظریہ تاریخ کے ترقی پسند منہاج سے کٹا ہوا ہے" اور یہ کہ "اخلاق نہ تو دائمی ہیں اور نہ ناقابلِ تغیر۔ وہ ہمیشہ معاشرتی حالات سے تطبیق رکھتے ہیں" (ص ۴۷)۔ اس فکری منہاج کے ساتھ اقبال کے معاشی تصورات کا جو جائزہ پیش کیا جائے گا، اس کا نتیجہ ایک خاص مکتبِ فکر کی مخصوص اصطلاحات (زندگی کی معاشی اساس، استحصالی طبقہ، سرمایہ و محنت کی تاریخی آویزش۔ لاطبقاتی معاشرہ۔ طبقاتی شعور، سامراجی جبر و استحصال وغیرہ) کی تکرار کے سوا کیا ہو گا۔ تفصیل

کا موقع تو نہیں، اجمالاً یہ کہنا ضروری ہے کہ ثاقب رزمی نے مسئلہ معاشیات سے متعلق اقبال کی ایسی تمام تحریروں اور بیانات سے قطع نظر کر کے دیانت داری کا ثبوت نہیں دیا، جن میں انھوں نے قرآن کی اقتصادی تعلیمات کو جملہ معاشی امراض کا بہترین علاج قرار دیا ہے اور روسی قوم کے تجربے کو ناقص اور انتہا پسندی سے تعبیر کیا ہے۔

ڈاکٹر شمیم ملک کی تصنیف "اقبال کی قومی شاعری" اوّل تا آخر بہ ہر صورت مایوس کن ہے۔ ایم اے اردو کی امتحانی ضرورت کے تحت لکھے جانے والے اس مقالے کے ابتدائی ڈیڑھ سو صفحات نام نہاد تحقیقی تقاضوں کی روایت کے مطابق "پس منظر" کی نذر ہو گئے ہیں جن میں لفظ قوم کے مفہوم، اس کی معنوی حدود، اور شاعری میں قومیت کے تصور کا ارتقا، اور قومی شاعری کے اہم نمایندوں پر بحث کی گئی ہے۔ یہ بحث کیا ہے، غیر ضروری تفصیل ہے، جس میں شعرا کے نمونۂ کلام کی بھرمار ہے۔ جہاں تک اصل موضوع (اقبال کی قومی شاعری) کا تعلق ہے، اسے محض ۶۵ صفحات میں سمیٹا گیا ہے یعنی متن مختصر ہے، مگر تمہید طولانی۔ خیر یہ گوارا ہو سکتا تھا بشرطیکہ اس متن کو سلیقے اور محنت سے مرتب کر کے پیش کیا جاتا۔ یہاں تو صورت یہ ہے کہ اقبال کی قومی شاعری پر بحث کے ضمن میں ان کے ہاں وطنیت کے تاریخی ارتقا کو نظر انداز کرتے ہوئے، مختلف منظومات کا، کسی تاریخی ترتیب کے بغیر ذکر کر دیا گیا ہے۔ اقبال کی شاعری کے دورِ اوّل کے رجحانات کیا ہیں؟ اس کا سراغ لگانے کی کوشش نہیں کی گئی، بس چند منظومات کا تذکرہ، اور تذکرے سے زیادہ اشعار۔ آخری باب کا عنوان ہے: "اقبال کا دوسرے قومی شاعروں سے مقابلہ"۔ مگر عنوان سے آگے بڑھ کر، متن میں اس "مقابلے" کی تفصیل فقط چند سطروں میں ملتی ہے اور وہ بھی محض اتنی کہ حالی اور چکبست کے علاوہ، وطن کے متعلق دیگر شعرا کا انداز رسمی ہے، برخلاف اس کے اقبال جذبے کی صداقت کے ساتھ لکھ رہے تھے (ص ۲۱۲)۔ ایسی کتاب کو دیکھ کر قدرتی طور پر ذہن کاغذ کے ضیاع کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب نے مصنف کی کاوش کو سراہتے ہوئے بتایا ہے کہ اس سے اقبال کی قومی شاعری کے بعض نئے پہلو آنکھوں کے سامنے آتے ہیں۔

"اقبال اور احمدیت" مرحوم بشیر احمد ڈار کی تصنیف ہے۔ جس میں قادیانیت کے باب میں علامہ اقبال کے ارتقا پذیر رویّے کا تاریخی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ قادیانیوں سے اقبال کے مباحثے کی تفصیل کے ساتھ اقبال کے تاریخی بیانات کا متن بھی شاملِ کتاب ہے۔ اس موضوع پر بعض دیگر مصنفین نے بھی قلم اٹھایا ہے، ڈار صاحب نے مستند حوالوں (اور ان میں بیشتر حوالے قادیانیوں کی تصانیف و رسائل کے ہیں) کی مدد سے قادیانیت سے اقبال کی بیزاری کی نہایت واضح اور جامع تصویر پیش کی ہے۔ انھوں نے عبدالمجید سالک کے بعض بیانات کا محاکمہ بھی کیا ہے۔ ڈار صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے: "ایک روایت کے بموجب اقبال نے ۱۸۹۲ء یا ۱۸۹۳ء میں مرزا غلام احمد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی" (ص ۹) پھر انھوں نے اقبال کی اس بیعت کا جواز تلاش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس وقت اقبال کی عمر پندرہ یا زیادہ سے زیادہ سترہ سال تھی اور اس عمر میں وہ پختگی نہیں ہوتی جو کسی دینی انقلاب کی صحیح اہمیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ دوسرے اس دور میں مرزا غلام احمد کی اسلامی خدمات کی، ان کی تبلیغی سرگرمیاں

کے حوالے سے، قدر کی جاتی تھی، اور تیسرے یہ کہ اقبال کا پیمانِ وفا، بحوالہ رشتۂ اسلامی اخوت تھا۔ مرزا غلام احمد سے اقبال کی بیعت کا جواز، بہ ایں تاویلات، درست ہے۔ مگر راقم کے خیال میں ان تاویلات کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیوں کہ یہ بیعت والا قصہ محض ایک اختراع ہے۔ اقبال کی سوانح کی بہت سی تفصیلات سامنے آچکی ہیں، خصوصاً اقبال کے بچپن اور لڑکپن کے متعدد ساتھیوں کی روایات بھی چھپ چکی ہیں، مگر یہ بیعت والا معاملہ کہیں مذکور نہیں۔ اقبال کے کسی سوانح نگار نے اس امر کی جانب اشارہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ سالک صاحب نے بھی، جو قادیانیوں کے باب میں نرم گوشہ رکھتے ہیں، اس بیعت والے قصے کو لائقِ اعتنا خیال نہیں کیا۔ خود ڈار صاحب نے بھی اس روایت کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ جناب بشیر احمد ڈار نے ایک مقام پر علامہ کے خطبۂ علی گڑھ کے بارے میں کہا ہے: "اصل لیکچر تو انگریزی میں تھا، لیکن بد قسمتی سے یہ ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکا" (ص ۱۵) ڈار صاحب نے یہ مقالہ تحریر کیا، تو بلاشبہ یہی صورتِ حال تھی، مگر بعد ازاں ۱۹۸۰ء میں مذکورہ خطبہ دستیاب ہو گیا، اور اس میں حضرت علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ نوٹ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے جس میں انھوں نے قادیانیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ بظاہر وہ مسلمان نظر آتے ہیں، مگر اپنی ذہنیت کے اعتبار سے وہ مجوسی ہیں۔ راقم کے خیال میں زیرِ نظر کتاب کے حواشی میں اس طرح کے امور واضح کر دیے جاتے تو بہت مناسب تھا۔

پروفیسر حق نواز کی تصنیف "اقبال اور لذتِ پیکار" میں "اسرارِ خودی" کے سلسلے کے مباحث کی روداد پیش کی گئی ہے۔ مصنف نے اپنی بحث (ص ۳-۱۱۹) میں اقبال کی تمام متعلقہ تحریروں، خطوط اور بیانات کو ترتیب زمانی کے ساتھ جمع کر کے درمیان میں اپنے توضیحی بیان سے انھیں مربوط کر دیا ہے۔ بعد ازاں چھ ضمیمے شامل کیے ہیں: فلسفۂ عجم میں تصوف کے بارے میں اقبال کے خیالات، اسی موضوع پر اقبال سے محمد دین فوق کا انٹرویو، اسرار و رموز پر بجنوری کا مضمون، نکلسن کا دیباچہ اسرارِ خودی اور مثنویوں پر ہربرٹ ریڈ کا مضمون۔ پروفیسر حق نواز نے ایک موضوع سے متعلق تمام تحریروں کو (جو ذخیرۂ اقبالیات میں عام طور سے دستیاب ہیں) ایک جا تو کر دیا ہے، مگر کوئی نیا نکتہ پیدا نہیں کیا۔ ترتیب و تدوین کے اعتبار سے بھی یہ کاوش اطمینان بخش نہیں ہے۔ متعدد مقامات پر حوالے ادھورے ہیں، انگریزی مضامین اور کتابوں کے اصل ٹائٹل نہیں دیے گئے۔ اگر مصنف کسی قدر تردد کرے تو متنِ اقبال پر مختصر حواشی لکھ کر بعض امور کو واضح کرنا مشکل نہ تھا۔ مختصر یہ کہ محنت، توجہ اور مولفانہ سلیقے کی کمی کھٹکتی ہے۔ ایک بات یہ کہ کتاب کے نام اور موضوع میں معنوی ربط پیدا کرنے میں خاصی دقت پیش آتی ہے۔

ڈاکٹر وحید عشرت نے پاکستان فلسفہ کانگریس کے سالانہ سیمی ناروں کے لیے لکھے گئے اپنے دو مقالات پر مشتمل ایک مختصر کتاب "علامہ اقبال کا نظریہ پاکستان" شائع کی ہے۔ جس میں قیام پاکستان کے بنیادی محرکات پر بحث کی گئی ہے۔ مصنف بتاتے ہیں کہ علامہ اقبال کی بصیرت نے، برصغیر کے ثقافتی مسئلے کا جو حل دریافت کیا تھا قائدِ اعظم محمد علی جناح نے خداداد حکمتِ عملی کے ذریعے اس حل کو عملی شکل دی۔

اکابر و اعاظم کی تحریروں کی جمع و ترتیب خاصی پرانی روایت ہے۔ دیگر شعبہ ہائے علم و ادب کی طرح، اقبالیاتی ادب میں بھی اس قابلِ قدر روایت کے سبب متعدد قیمتی اضافے ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں سید وقار عظیم، صوفی تبسم، عبدالماجد دریا بادی، عزیز احمد، خلیفہ عبدالحکیم، آل احمد سرور، ممتاز حسن، مولانا مودودی، عبدالقیوم باقی کی مختلف النوع تحریریں دربارۂ اقبال کتابی صورت میں مدوّن و منضبط ہو چکی ہیں۔ جعفر بلوچ کی مرتبہ "اقبالیاتِ اسد ملتانی" اس زمرے میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے، جو باصلاحیت اور قادر الکلام شاعر اور دلکش شخصیت مرحوم اسد ملتانی کے، حضرتِ علامہ سے متعلق دو مضامین، سولہ منظومات اور چند متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آغاز میں جناب اسد کا مفصّل سوانحی خاکہ اور اقبال و اسد کے روابط اور علامہ سے اسد ملتانی کی ذہنی و فکری تاثر اور وابستگی پر مبنی ایک تحقیقی مقالہ شامل ہے۔ اس مجموعے میں اسد ملتانی کا مضمون "فضائلِ اقبال" اقبال سے ان کی ۱۹۳۳ء کی ملاقات کی مفصّل یادداشت پر مشتمل ہے، جس سے بعض اہم موضوعات (زبان، اقبال کی فارسی، مغرب کی تقلید، ترکوں کا رویّہ، اسلام کا مستقبل، فلسفہ اور مذہب جینیس، عالمِ اسلام، مردِ منتظر، مکتوباتِ مجدد، مقصدِ حیات، فہم القرآن) پر علامہ کے حکیمانہ رشحاتِ فکر سامنے آتے ہیں۔ فلسفے کا ذکر آیا تو فرمایا: "فلسفہ انسان کو کبھی مطمئن نہیں کر سکتا۔ فلسفے کا کام تو یہ ہے کہ آج چند مشاہدات پر بنیاد رکھ کر ایک خیال Concept قائم کیا جاتا ہے، جو یقینی نہیں بلکہ صرف ممکن plausible ہوتا ہے کل ماحول مختلف ہو جاتا ہے۔ نقطۂ نظر بدل جاتا ہے، تو ایک دوسرا Concept قائم کرنا پڑتا ہے اس طرح سلسلہ بہ سلسلہ انسان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ مگر کسی منزل تک نہیں پہنچتا۔ اگر فلسفہ انسان کی تسکین کر سکتا تو مذہب کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے مذہب کا وجود ہے۔" ترکوں کی جدیدیت کا ذکر آیا تو فرمایا: "انہوں نے ہیٹ HAT کو ترقی کی علامت سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ اصل چیز جو لازمۂ ترقی ہے، وہ ہیٹ کے نیچے ہے۔" ایک اور موقع پر کہا: "جینیس کی پیدائش کے متعلق ابھی تک انسان معلوم نہیں کر سکا۔ خبر نہیں، قانونِ حیات کے اسرار کیا ہیں؟ ممکن ہے انسان آئندہ چل کر کچھ زیادہ معلومات بہم پہنچا سکے۔ سردست تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سمندر کبھی کبھی لہروں کے ساتھ موتی اچھال کر کنارے پر پھینک دیتا ہے، اسی طرح فطرت کبھی کبھی جینیس اچھال دیتی ہے۔"

اسد ملتانی کی منظوماتِ دربارۂ اقبال، ان کے پُرخلوص جذبے کی آئینہ دار اور شعر گوئی پر ان کی ماہرانہ دسترس کی غماز ہیں۔ ان کی مجموعی شاعری کے بارے میں اس کتاب کے دیباچہ نگار ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے لکھا ہے کہ اسد ملتانی اقبال سے متاثر ہیں اور انہیں اپنا مرشدِ معنوی سمجھتے ہیں، اس کے باوجود ان کا مصرع اقبال سے الگ پہچانا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے خواجہ صاحب کی یہ تجویز بہت صائب ہے کہ ایسی مہارت و قدرت رکھنے والے شاعر کا پورا کلام شائع ہونا چاہیے۔

جناب جعفر بلوچ نے اس مجموعے کو بڑی دیدہ وری اور سلیقہ مندی سے ترتیب دیا ہے اور بلاشبہ یہ اسد کے قدر دانوں کے لیے ایک گراں بہا ارمغان اور اقبالیاتی ادب میں بھی ایک خوب صورت اضافہ ہے

اسی طرح کی ایک اور کاوش ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری نے کی ہے۔ اپنی تازہ تصنیف "علامہ اقبال اور مولانا محمد علی" میں انہوں نے دونوں شخصیتوں کے باہمی روابط کی ایک جامع تصویر پیش کی ہے۔ کتاب کا متن اقبال کے بارے میں محمد علی جوہر کے پانچ مضامین ہیں، جو ۱۹۲۷ء میں "ہمدرد" میں شائع ہوئے۔ ابتدا میں مصنف کے دو مفصل و بسیط مقالات ہیں۔ پہلے مقالے "مولانا محمد علی جوہر، بہ حیثیت نقاد و ماہر اقبالیات" میں مصنف نے بتایا ہے کہ بحیثیت ادیب و نقاد، محمد علی جوہر کا پایہ بلند نہیں۔ اقبال کے سلسلے میں ان کی صحافیانہ تحریروں میں جارحیت اور انتقامی کیفیت ہے، ان کا اندازِ بیان اخلاق و تہذیب کے عام اصولوں کے خلاف ہے، اس وجہ سے وہ ادبی تنقید کا کوئی عمدہ اور قابلِ تقلید نمونہ پیش نہیں کر سکے۔ ڈاکٹر ابو سلمان نے مولانا محمد علی کی شخصیت اور اسلوب و اندازِ بیان کی بعض دیگر کمزوریوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مولانا بنیادی طور پر صحافی تھے، سیاست دان کے لیے مزاج و سیرت کے جن خصائص کی ضرورت ہوتی ہے، مزاجی اعتدال و توازن، حوصلہ و بردباری اور رواداری و تدبر، وہ ان سے یکسر نہ سہی، بیشتر محروم تھے۔ البتہ مصنف نے اقبال اور جوہر کی شاعری میں راجہ بھوج اور گنگو تیلی کے افکار اور برہمن زادے اور کلال بچے کی سیرت میں جو مشابہت تلاش کی ہے، اس سے اتفاق ممکن نہیں۔ دوسرے مقالے "علامہ اقبال اور مولانا محمد علی جوہر" میں انہوں نے اقبال و جوہر کی شخصیتوں، مزاج اور افتادِ طبع کا تفاوت دکھایا ہے اور دونوں کے سیاسی و فکری اختلافات کا تاریخی حقائق کی روشنی میں تجزیہ پیش کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شدید ترین اختلافات کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دونوں اکابر ایک دوسرے کی عظمت کے منکر یا مقام سے ناآشنا تھے۔ مولانا محمد علی جوہر نے شاید اپنے متحرک اور سیماب صفت مزاج کے برعکس اقبال کو سکون آشنا اور ایک گوشۂ بے عمل پایا تو انہیں بڑا رنج ہوا۔ ڈاکٹر ابو سلمان سمجھتے ہیں کہ یہ اندازِ فکر درست نہیں کہ ایک شخص جو بنیادی طور پر شاعر، فلسفی اور مفکر ہے، اس سے میدانِ عمل کا شہسوار اور صاحبِ عزم امور بننے کی توقع کی جائے۔ یہاں انہوں نے بجا طور پر مولانا محمد علی ہی کی ایک تحریر سے استدلال کیا ہے۔ ڈاکٹر ابو سلمان نے محمد علی کی شخصیت اور اقبال کے بارے میں ان کے طرزِ فکر و عمل کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "اگرچہ سیاست کی دنیا میں محمد علی نے اقبال کا اثر قبول نہیں کیا بلکہ ان کی مخالفت کی اور طنز و تشنیع کا کوئی موقع انہوں نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا، لیکن ان کے افکار و احساسات پر پنجاب کے اسی منکسر المزاج، شرمیلے اور عزلت گزیں بیرسٹر کا قبضہ و تسلط تھا، اسی کے کلام نے ان کی فکری رہنمائی کی اور اسی کا کلام ان کے قلب کی بے چینیوں کے لیے وجہ تسکین ثابت ہوا۔" راقم کے خیال میں ڈاکٹر ابو سلمان کے دونوں مقالے، فی الاصل ایک ہی موضوع کے دو پہلو ہیں، انہیں ایک ہی مقالے میں یکجا سمیٹا جا سکتا تھا۔ کئی مقامات پر تکرار کا احساس ہوتا ہے۔ تحریکِ ترکِ موالات کے بارے میں مصنف نے علامہ اقبال کے رویے کی عمدگی سے وضاحت کی ہے۔ ڈاکٹر ابو سلمان کے ان مقالات میں بعض امور محلِ نظر ہیں۔ مثلاً ۱۹۱۹ء میں علی برادران کی رہائی کے موقعے پر اقبال نے "اسیری" کے عنوان سے جو قطعہ کہا (بانگِ درا: ص ۲۵۲)، اس کے بارے میں ابو سلمان صاحب کا یہ بیان کہ "وہ قطعہ ان کے لیے کوئی خاص نہ تھا" (ص ۱۵) درست نہیں ہے۔ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ علامہ نے یہ اشعار لاہور

ے امرتسر جاتے ہوئے ، راستے میں موزوں کیے تھے ، اور امرتسر کے جلسے میں ، جہاں علی برادران بھی موجود تھے ، انہیں مخاطب کرتے ہوئے پڑھ کر سنائے اس طرح ص ۳۴ ، ۳۸ پر مصنّف نے علامہ کے ایک خط کا اقتباس نقل کرنے کے بعد (کہ اگر ترک موالات کے بارے میں علماء کا فتویٰ میری ذاتی رائے کے خلاف ہو تو سرِ تسلیم خم ہے۔ مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں ص ۳۵) کہا ہے : "لیکن اقبال نے اس فتویٰ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے کے بجائے کالج میں چھٹی کر کے کالج بند کر دیا" (ص ۳۸) واقعات کی تاریخی ترتیب کی روشنی میں ڈاکٹر ابو سلمان کا مندرجہ بالا نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں ، اقبال کا متذکرہ خط ۲۸ ، اکتوبر ۱۹۲۰ء کا ہے اور علمائے ہند کا فتویٰ ڈاکٹر ابو سلمان صاحب کے مطابق ۱۹۲۱ء کے شروع میں سامنے آیا گویا کالج میں چھٹی اور کالج کی بندش ، فتویٰ سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس اعتبار سے اسے ، فتویٰ کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرنے کا نتیجہ قرار دینا درست نہیں۔ فتویٰ کے ضمن میں مصنف کا یہ بیان بھی محلِ نظر ہے کہ یہ علماء کا "متفقہ فیصلہ" تھا۔ درحقیقت متعدد اکابر علماء اس کے خلاف تھے۔

۱۹۸۳ء میں بھارت سے بھی متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ جن میں ایک اہم کتاب ڈاکٹر عبدالمغنی کی "اقبال کا نظامِ فن" ہے ساڑھے پانچ سو صفحات کی یہ ضخیم کتاب علامہ اقبال کے فن کی تفہیم و تنقید کی ایک بھرپور اور جامع کاوش ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ اقبال کا جوہرِ شاعری نہ صرف یہ کہ دنیا کے کسی شاعر کے جوہر سے کم نہیں بلکہ بوجوہ اور بدرجہا زیادہ ہے ، مگر اقبال کے افکار نے ایسا طلسم قائم کر رکھا ہے کہ ان کے فن کی طرف مشکل ہی سے کسی کی توجہ مبذول ہوتی ہے ، حالانکہ یہ طلسم درحقیقت فن ہی پر مبنی ہے۔ اگر شاعری کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو افکار میں طلسم کی جو کیفیت ہے ، وہ ختم ہو جائے گی۔ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے عبدالمغنی صاحب نے بیس برس پہلے "اقبال کا فن" کے عنوان سے "نقوش" میں ایک مقالہ لکھا تھا ، جو غالباً اس موضوع پر اوّلیں مقالہ تھا ، اس اجمال کی تفصیل زیرِ نظر کتاب میں پیش کی ہے۔

علامہ اقبال کے نظامِ فن کی بڑائی کو اجاگر کرنے کے لیے ڈاکٹر عبدالمغنی نے مشرق و مغرب کا ادبی منظر نامہ پیش کیا ہے وہ بتاتے ہیں کہ انیسویں صدی کے آخری ایام میں ، جو عصرِ حاضر کے ہر ادب بالخصوص شاعری میں زوال کے دن تھے ، رومانیت کے بچے کھچے آثار بھی مٹ چکے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سائنس اور صنعت کے بڑھتے ہوئے مادّی انقلاب نے شاعری کے امکانات ختم کر دیے ہیں ، اس لیے کہ اس فنِ لطیف کا جوہر روحانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی کسی ترقی یافتہ ملک میں بھی کوئی بڑا شاعر پیدا نہ کر سکی اور شاعری میں جدت کے نام پر ساری کوششیں صرف نو بہ نو رجحان و رواج ثابت ہوئیں۔ انگریزی میں ییٹس اور ایلیٹ کی کوتاہ قدی یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ مغرب میں عظمتِ شاعری کا آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ اور صرف چند انجمِ کم ضو ظلمتِ شب میں گرفتار تھے۔ مشرق کا حال بھی مختلف نہ تھا۔ فارسی کا آسمان تو بہت قبل تاریک ہو چکا تھا۔ اردو کے افق پہ بھی غالب ستارۂ سحر کی طرح اپنی چمک دکھا کر غائب ہو چکے تھے۔ ایشیا اور یورپ دونوں جگہ فکر کا بحران فن

کے زوال میں عیاں تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی کے اواخر میں بڑی شاعری کے لیے درکار فکر، مشرق میں مضمحل ہو چکی تھی اور فن مغرب میں منتشر ہو چکا تھا۔ چنانچہ مثال کے طور پر فارسی اور اردو شاعری کے اسالیبِ سخن تو سلامت تھے، مگر موضوعات مفقود یا مجروح۔ جب کہ انگریزی شاعری میں ڈرامے کا مایۂ ناز اسلوب اپنی واقعیت کھو چکا تھا۔ یہاں تک کہ وقت کے سب سے بڑے ڈرامانگار برناڈ شا کو انگریزی ڈرامے کی تجدید کے لیے نثر کا قالب اختیار کرنا پڑا اور بیسویں صدی میں نثری ڈرامے ہی کو انگریزی ادب میں فروغ ہوا حالانکہ ٹی ایس ایلیٹ نے تنقید و تخلیق دونوں ہی ذرائع سے شعری ڈرامے کے احیاء کی زوردار کوشش کی لیکن یہ کامیاب نہ ہو سکی، اور اس کے نتیجے میں فن کا کوئی عظیم نمونہ سامنے نہیں آیا۔

ڈاکٹر عبدالمغنی بتاتے ہیں کہ اس پس منظر میں اقبالؔ نے فکر و فن دونوں کی تشکیلِ جدید کا بیڑا اٹھایا۔ اس مقصد کے لیے مشرقی اسالیبِ فن میں انہوں نے ایک خاموش، ہمہ گیر اور عہد آفریں انقلاب برپا کر دیا۔ اور اپنا وسیع و عریض نظامِ فن مرتب کیا۔ زیرِ نظر کتاب اقبال کے اردو کلام کی فنی تنقید پر مشتمل ہے (مصنف نے بتایا ہے کہ فارسی کلام کی تنقید، وہ اپنی زیرِ ترتیب انگریزی کتاب میں کریں گے) انہوں نے اقبال کے فن اور تصورِ فن پر تفصیلی بحث کے بعد اقبال کے اردو شعری مجموعوں پر فنی تنقید کی ہے۔ بعد ازاں ہر مجموعے کی اہم منظومات کا انفرادی فنی تنقیدی تجزیہ بھی کیا ہے۔ پروفیسر عبدالمغنی فکرِ اقبال کے شیدا ہیں، اس کے باوجود اقبال کے فن کی یہ مداحی، ان کی جانب سے اقبال کے ایک حقیقی قدر دان کی تنقید ہے۔ "اقبال کا نظامِ فن" کو بھارت کی جانب سے ۱۹۸۴ء کا تحفۂ اقبالیات قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

مطالعۂ اقبال کے سلسلے میں کشمیر یونیورسٹی، سری نگر کے اقبال انسٹی ٹیوٹ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس ادارے نے اقبال سے متعلق کئی موضوعات پر علمی مذاکروں کا اہتمام کیا، اور پھر ان میں پڑھے جانے والے مقالات کو کتابی صورت میں شائع کیا۔ اقبال انسٹی ٹیوٹ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لیے تحقیق بھی کرا رہا ہے اور ایک علمی مجلہ بہ عنوان "اقبالیات" بھی شائع کرتا ہے۔ اس برس یہاں سے دو کتابیں چھپیں "تشخص کی تلاش کا مسئلہ اور اقبال" اور دوسری "حکمتِ گوئٹے اور اقبال"۔ اوّل الذکر کتاب اقبال انسٹی ٹیوٹ کے تحت منعقدہ ایک سیمینار میں پڑھے جانے والے چھ اردو اور تین انگریزی مقالوں اور شیخ محمد عبداللہ کے افتتاحی خطبے پر مشتمل ہے۔ مقالہ نگاروں میں بھارت کے بعض نمایاں نام مثلاً پروفیسر عالم خوندمیری، پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی، ڈاکٹر مشیر الحق، پروفیسر حامدی کاشمیری اور انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر پروفیسر آل احمد سرور نظر آتے ہیں۔ بیشتر لکھنے والے اقبال کے ہاں تشخص کے اسلامی حوالے کی بات کرتے ہیں، مگر وہ ہندوستانی مسلمان کی حیثیت سے تشخص کے قومی حوالے کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ پروفیسر ساجدہ زیدی کا تو خیال ہے کہ مسلمان قوم اقبال کی مخاطب برائے بیعت ہے۔ مسلمانوں کی اجتماعی کی تلاش ان کی شاعری کا ظاہری ڈھانچہ ہے، لیکن ان کا اصل مخاطب انسان ہے، فرد واحد ہے

بہ درست ہے ، مگر ساجدہ زیدی نے یہ غور نہیں کہ وہ انسان ، وہ فرد واحد کسی نہ کسی قوم اور کسی نہ کسی ملت ہی سے متعلق ہوگا ـــــ ڈاکٹر حامدی کاشمیری نے بھی انسان کے گم شدہ اور زوال یاب شخص کی بحالی کے لیے اقبال کی جدوجہد کو ، ان کی انسان دوستی سے تعبیر کیا ہے ـــــ اقبال انسٹی ٹیوٹ کے علمی مذاکروں کا قابل ستائش پہلو یہ ہے کہ ہر مقالے کے بعد اس پر بحث ہوتی ہے ، زیر نظر کتاب میں "روداد" کے زیر عنوان ایسی تمام بحثوں کا خلاصہ مرتب کر کے شامل کیا گیا ہے ۔

اقبال انسٹی ٹیوٹ کی دوسری پیش کش "حکمت گوئٹے اور فکر اقبال" پروفیسر سید وحید الدین کے دو خطبات پر مشتمل ہے ، جو انسٹی ٹیوٹ کے سیمیناروں میں پڑھے گئے ۔ پہلے مقالے کا عنوان ہے "حکمت گوئٹے اور اس کے رموز" اس میں حکیم المانوی کے فلسفیانہ اور صوفیانہ افکار سے بحث کی گئی ہے ۔ دوسرے مقالے میں خطبات کی روشنی میں اقبال کے بنیادی تصورات پر کلام کیا گیا ہے ۔ پروفیسر وحید الدین کے خیال میں اقبال اپنے خطبات میں مفکر اسلام کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں اور بحیثیت مفکر اسلام ان کا پایہ بہت بلند ہے ، وہ نہ تو خلیفہ عبدالحکیم جیسے اقبال کے ان پرستاروں سے متفق ہیں جو اقبال کو اسلامی فکر کا حرف آخر سمجھتے ہیں اور نہ ایم ایس رشید جیسے ناقدین کو درست خیال کرتے ہیں جن کے نزدیک اقبال فکر اسلامی کی تشکیل نو کی کوششوں میں ناکام رہے ہیں ـــــ ان کے نزدیک اقبال کی کوشش ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور مستقبل کی تمام کوششیں خواہ ان کے نتائج سے اتفاق کریں یا نہ کریں ، ان کو نظر انداز نہیں کر سکتیں ـــــ پروفیسر وحید الدین کے نزدیک اقبال کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کا بڑی شدومد کے ساتھ حرکی (DYNAMIC) تصور پیش کیا ہے ـــــ انھوں نے اقبال کے فکری ورثے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ، عمل کی سطح پر نہیں تو فکر کی سطح پر اسلامی الٰہیات کی تشکیل نو میں قدم بڑھانے کی ضرورت پر زور دیا ہے ، پروفیسر وحید الدین کی اپروچ تعمیری اور مثبت ہے ـــــ ان کے خیال میں اگر کوئی سرچشمہ اقبال کی فکر کا ہو سکتا ہے تو صرف قرآن کریم یا وہ بزرگ ہیں جنھیں ہم نے اسلامی فکر کا قابل تسلیم ترجمان مانا ہے ۔ تاہم ان کے خیال میں اقبال نے بڑے توازن کے ساتھ مغربی فکر سے استفادہ کیا ہے ۔ اور مغربی فکر ، جیسا کہ وحید الدین صاحب نے وضاحت کی ہے ، مغربیت سے ایک مختلف چیز ہے ۔

"اقبالیات کی تلاش" ، بھارت میں اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والے مصنف اور سیفیہ کالج بھوپال کے صدر شعبۂ اردو پروفیسر عبدالقوی دسنوی کی ستائیسویں اور اقبال پر ان کی چھٹی تصنیف ہے ۔ اس میں مختلف موضوعات پر تو تنقیدی مضامین شامل ہیں ، بعض موضوعات (مثلاً بچوں کا اقبال ، اقبال اور بمبئی ، اقبال اور علی گڑھ ، اقبال اور پانی پت ، اقبال اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری ، اقبال اور خواجہ حسن نظامی) نسبتاً نئے محسوس ہوتے ہیں مصنف نے ہر موضوع سے متعلق معلوم و موجود لوازمے کو جمع و مرتب کر کے یکجا کر دیا ہے ـــــ ان مقالات کو تحقیق کے کڑے معیاروں سے جانچنا درست نہ ہوگا ، دسنوی صاحب علامہ کے فکر و فن سے جو تعلیمی شغف رکھتے ہیں ، انھوں نے یہ مضامین بڑے ذوق و شوق سے قلم بند کیے اور اب ایک ذہنی مسرت کے ساتھ انھیں کتابی صورت میں پیش کیا ہے ۔ کتاب کا مطالعہ کرتے وقت یہ سیاق و سباق پیش نظر رہنا چاہیے ۔ اقبالیات کا عام قاری اس

معلومات افزا کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یقیناً دلچسپی محسوس کرے گا۔

"رموزِ اقبال" گلگتہ یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام، اقبال صدی تقریبات کے سلسلے میں منعقدہ سیمینار (۱۶ تا ۱۸ نومبر ۱۹۷۷ء) کے سولہ اردو اور سات انگریزی اور بنگالی مقالات کا مجموعہ ہے، جسے شعبۂ اردو گلگتہ یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر ظفر اوگانوی نے مرتب کیا ہے۔ "اقبال کے ہاں حرکی پیکر" کے عنوان سے مجموعے کا پہلا مضمون بھارت کے ممتاز اقبال شناس پروفیسر اسلوب احمد انصاری کا ہے۔ "نقشِ اقبال" میں انہوں نے بڑی ژرف بینی سے اقبال کا مطالعہ کیا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں انہوں نے بتایا ہے کہ اقبال کے کلام میں شروع ہی سے حرکت اور تبدیلی کے اصول کے لیے ایک رغبت پائی جاتی ہے۔ انہوں نے بعض ایسی نظموں کی نشان دہی بھی کی ہے، جو اس وجدان کے نتیجے میں وجود میں آئیں اور جو حرکت کا شعری پیکر ہیں۔ اقبال کے ہاں "حرکت کا تصور، آرزو، ذوق و شوق اور عشق، فراق و ناصبوری اور تمنائے تخلیق کے ساتھ مربوط اور وابستہ ہے کہ یہی اس کے محرکات ہیں"۔ پروفیسر اسلوب احمد کے خیال میں: "اقبال کے ہاں حرکت، عشق اور ارادہ ایک طرف اور تغیر و تبدل، ارتقاء اور تقلیب کا عمل دوسری جانب تمام دوسرے حقائق پر فوقیت رکھتے ہیں"۔

ڈاکٹر قمر رئیس اپنے طویل مضمون "اقبال کا تصورِ وطن و آزادی" میں بتاتے ہیں کہ "اقبال کے ذہن میں یہ بات واضح تھی کہ صرف مذہب کے نام پر کوئی سیاسی جماعت مسلمانوں کی دنیاداری، اخوت اور یک جہتی کی ضمانت نہیں ہو سکتی۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اقبال کی رحلت کے بعد جن حالات اور اصولوں کی بنیاد پر مسلم لیگ نے تقسیمِ ہند کا مطالبہ کیا، وہ اقبال کی اختراع نہیں تھا"۔ جناب قمر رئیس نے اپنے مضمون کی تان اس بات پر توڑی ہے کہ اشتراکیت کے الحاد سے قطع نظر، اقبال اس نظام کو پسند کرتے تھے۔ کیوں کہ: "وہ جانتے تھے کہ دین و مذہب سے بے تعلق کے باوجود اس معاشرے میں انسان کے لیے زیادہ آزادی، فراغت، احساسِ مساوات اور اعتماد کی زندگی بسر کرنے کے امکانات موجود ہیں"۔

ڈاکٹر لطف الرحمٰن کے خیال میں اقبال جدیدیت کے پیش رو ہیں: "اقبال کے یہاں وجودی رجحانات کی عکاسی اسی وقت سے ملتی ہے، جب اس کو باضابطہ فلسفہ کی حیثیت مغرب میں تحریک کی حیثیت حاصل نہیں ہوئی تھی اور سارتر نے اس کو ایک باضابطہ مکتبۂ فکر کے اعتبار سے عام نہیں کیا تھا۔ اقبال نے جدید رجحانات کو سب سے پہلے اردو میں روشناس کرایا۔ آج کی الجھی ہوئی جدیدیت کے تمام نقوش و افکار اور رجحانات و عناصر سلجھی ہوئی شکل میں اقبال کے فن میں موجود ہیں"۔

ڈاکٹر ظفر اوگانوی نے اپنے مضمون "اقبال اور فلسفۂ آرزو" میں بعض ماہرینِ اقبالیات کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے کہ اقبال کے ہاں عشق اور آرزو مترادف اصطلاحات ہیں۔ ان کے خیال میں اقبال نے آرزو کو انفرادی اہمیت دی ہے اور یہ اصطلاح ان کے ہاں ایک خاص معنویت کی حامل ہے: "آرزو" ان کے ہاں کئی مراحل طے کرتی ہے۔ یہ ایک اصطلاح ہی نہیں، ایک فلسفہ بھی ہے جس میں فکر کا ایک تسلسل ارتقا ہے۔ آرزو

کے متعدد مظاہر ہیں، جن میں سب سے نمایاں حرکت و عمل ہے۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر وحید اختر، وہاب اشرفی، عنوان چشتی، فصیح ظفر اور جگن ناتھ آزاد کے مقالات بھی لائقِ مطالعہ ہیں۔ البتہ شاہ مقبول احمد، ڈاکٹر عبدالرؤف، قمر اعظم ہاشمی اور ڈاکٹر جاوید نہال کے مضامین اختصار اور قدرے تشنگی کا احساس دلاتے ہیں۔ پروفیسر مشتاق احمد کی معلومات سرسری، ناکافی اور پرانی ہیں بحیثیت مجموعی ہندوستانی نقادوں کو فکرِ اقبال سے زیادہ ان کی شاعری، شاعری کے فنی پہلوؤں، شعرِ اقبال کے لسانی اور عروضی تجزیے، ان کی لفظیات و شعریات اور اقبال کے ہاں تکنیکی اور تخلیقی تجربات ایسے موضوعات زیادہ محبوب و مرغوب ہیں اور بیشتر نے انہی پر کلام کیا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کے لیے ہمیں اس مجموعے کے آغاز میں شامل، علامہ جمیل مظہری کے مختصر خطبے کو پیشِ نگاہ رکھنا چاہیے۔ وہ شاعرِ اقبال کے نہ صرف مداح ہیں، بلکہ اپنے بقول پورے بھارت میں اقبال کے اندازِ بیان کے تنہا پیرو" ہیں۔ وہ برادرانِ وطن کو جشنِ اقبال منانے پر مبارک باد دینے کے ساتھ انہیں خبردار کرتے ہیں کہ "اقبال کی شاعری میں قومی منافرت کے کڑوے زہر" سے ہوشیار رہیں۔ اقبال کو پوجیے، لیکن فکر و فن کے مہادیو کے گلے میں جو ایک زہریلا سانپ پھن مار رہا ہے۔ اُس سے اپنے ذہنوں کو ڈسوائیے نہیں۔

Iqbal and National Integration، بھارت کے صوبہ ہریانہ کے گورنر سید مظفر حسین برنی کا کلیدی خطبہ ہے، جو انہوں نے بھوپال یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام منعقدہ ایک جلسے میں ۱۴؍جنوری ۱۹۸۴ء کو پڑھا۔ دیباچے میں بھوپال سے اقبال کے تعلق کا بڑے والہانہ انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس خطبے کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے: "اقبال کی وفات کو تقریباً نصف صدی گزر جانے کے بعد قومی یک جہتی کے متعلق ان کے پیغام کے بارے میں غلط فہمیاں ہنوز باقی ہیں۔ اقبال سچے محبِ وطن، مذہبی رواداری کے پُرزور حامی اور ہندوستانی فلاسفروں اور سنتوں کے مداح تھے۔ اسلام سے ان کی گہری وابستگی کے باوصف وہ ہندی فکر و فلسفے کے گہرے مطالعے کے بعد، اس کی اصل روح سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔ ان کا پیغام آج، ہمارے ملک کی تاریخ کے اس نازک دور میں، جب کہ ذات، نسل، فرقے اور علاقیت کے فتنے سر ابھار رہے ہیں، خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔" پھر مادرِ وطن سے اقبال کی محبت، ان کے ہاں ہندوستانی سنتوں کے احترام، ان کی ہندوستانی مفکرین سے دلچسپی، قومی یک جہتی اور ہندوستان کی آزادی کے بارے میں ان کے طرزِ فکر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ برنی صاحب کے خطبے کا اختتام "اقبال کی اس پُرخلوص جذباتی اپیل" پر ہوتا ہے۔

آ غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں، نقشِ دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں

دنیا کی تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامانِ آسمان سے اس کا کلس ملا دیں

خطبے کے اس آغاز و انجام سے خطیب کے اندازِ تفکر کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اس خطبے کا اردو ترجمہ "اقبال اور قومی یک جہتی" کے عنوان سے علیحدہ کتابچے کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔

❖

اقبال کے تراجم، اقبالیاتی ادب کا مستقل شعبہ ہے۔ اس وقت تک دنیا کی دو درجن سے زائد مختلف زبانوں میں علامہ کی نظم و نثر کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۹۸۴ء میں تراجم اقبال کی سات کتابیں شائع ہوئیں۔ اقبال اکادمی کے شائع کردہ ترجموں میں "جاوید نامہ" کا منظوم انگریزی ترجمہ (از صوفی اے کیو نیاز) اور "گلشن راز جدید و بندگی نامہ" کا منظوم پنجابی ترجمہ (از احمد حسین قریشی) شامل ہیں۔ دونوں مترجم، اس سے پہلے بھی کلام اقبال کے تراجم کر چکے ہیں۔ زیرِ نظر ترجموں میں بھی ان کا تجربہ اور مہارت شامل رہی ہے۔ صوفی نیاز نے "جاوید نامہ" کے ترجمے میں تقریباً پندرہ برس صرف کیے۔ ان کے ترجمے کا ایک نمونہ دیکھیے، کارل مارکس کے ذکر میں اقبال کہتے ہیں:

زاں کہ حق در باطلِ او مضمر است
قلبِ او مومن دماغش کافر است
غربیاں گم کردہ اند افلاک را
در شکم جویند جانِ پاک را

صوفی نیاز نے ان شعروں کا ترجمہ بایں الفاظ کیا ہے:

In his false line of thought the Truth lies somewhere entangled and concealed .
In his heart, in a way, he would seem to have felt this Truth, and yielded belief;
but some hidden complex of his mind betrayed him into a rejection thereof.

There peuple of the West have lost sight of the higher values:
In well-fed bodies they hope to find purity alone which constitutes the soul of human life.

اس ترجمے سے کلام اقبال کی بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مترجم کو مفہوم کی وضاحت کے لیے خاصی کاوش سے کام لینا پڑا۔ ترجمہ لفظی نہیں رہا، بلکہ کسی قدر تشریحی اور مائل بہ طوالت ہو گیا۔

احمد حسین قریشی، کئی برس پہلے "اسرارِ خودی" اور "مسافر" کے منظوم ترجمے شائع کر چکے ہیں۔ ان کے زیرِ نظر

ترجمے کی دو مثالیں دیکھیے ۔"بندگی نامہ" میں اقبال کہتے ہیں :

از غلامی دل بمیرد در بدن
از غلامی روح گردد بارِ تن

قریشی صاحب کا ترجمہ ہے :

جوں غلامیوں دل تن اندر بن موتوں مرجاندے
روح تن دا نہ پہاڑ اٹھاندے نہ لے جوڑ سکاندے

ایک اور جگہ "موسیقی" کے زیرِ عنوان علامہ کا شعر ہے :

مرگ ہا اندر فنونِ بندگی   من چہ گویم از فسونِ بندگی

احمد حسین قریشی کا ترجمہ :

ہنر غلامی دالے سارے ، موتاں دی آزادی
مکر غلامی والے جگ وچ لے آون بربادی

یہ دو ٹکڑے ، کسی انتخاب کے بغیر دو مختلف مقامات سے لیے گئے ہیں ۔ ان سے باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ترجمہ اور خصوصاً شعر کا منظوم ترجمہ کس قدر مشکل کام ہے ، اور اس فن میں دسترس حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مختلف زبانوں میں کلامِ اقبال کے معیاری ترجموں کی اب بھی بہت گنجائش موجود ہے ۔

پنجابی ہی میں منظوم تراجم کی تین اور کتابیں شائع ہوئی ہیں مگر بہ خوفِ طوالت مثالوں سے قطع نظر کرتے ہوئے ، میں ان کے مختصر تذکرے پر اکتفا کرتا ہوں ۔ سیّد منظور حیدر نے "مثنوی پس چہ باید کرد" کا منظوم ترجمہ "ہن کی کریئے" کے نام سے کیا ہے ، اختر حسین شیخ نے اقبال کی پانچ منظومات (شکوہ ، جوابِ شکوہ ، فلسفۂ غم ، والدہ مرحومہ کی یاد میں ، طلوعِ اسلام) اور پندرہ غزلوں کا ترجمہ " اقبال دا لشکارا " کے نام سے شائع کیا ہے ۔

عبدالمجید خاں ساجد نے دس نظموں (شکوہ ، شمع و شاعر ، جوابِ شکوہ ، والدہ مرحومہ کی یاد میں ، خضرِ راہ ، طلوعِ اسلام ۔ ذوق و شوق ، مسجدِ قرطبہ ، ساقی نامہ ، پیر و مرید) کا منظوم ترجمہ "دلاں دا چانن" کے عنوان سے شائع کیا ۔ انہوں نے ہر نظم کے ترجمے سے پہلے ، اس کا مختصر تعارف اور پس منظر بھی بیان کیا ہے ۔

عبدالرشید فاضل نے "رموزِ بے خودی" کا منظوم اردو ترجمہ "بیانِ بے خودی" کے نام سے کیا ہے اس سے پہلے وہ "اسرارِ خودی" کا منظوم ترجمہ کر چکے ہیں ۔

ایک سال کے دوران میں تراجمِ اقبال کی سات کتابوں کی اشاعت ایک نیک فال ہے ۔ یہ تراجم مترجمین کے انفرادی ذوق و شوق اور کاوش و پژوہش کا ثمر ہیں ۔ تراجمِ اقبال کے مجموعی ذخیرے کو پیشِ نگاہ رکھتے

ہوئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کس کس زبان میں، کلام اقبال کے کون سے حصّوں، منظومات یا مجموعوں کے ترجمے یا معیاری ترجمے ہونا باقی ہیں ، اور با صلاحیت مترجمین سے مطلوبہ تراجم کیوں کر کرائے جا سکتے ہیں ! فی الحقیقت اقبال کے بلند پایہ ترجمے، اجتماعی کاوشوں کے ذریعے ہی وجود میں آ سکتے۔ اور یہ کسی اقبالی ادارے کی منظم منصوبہ بندی کے بغیر ممکن نہیں۔

تراجم کے ضمن میں ایک خبر یہ ہے کہ سری نگر سے پنڈت موتی لال پشکر نے اقبال کے کلام کا منظوم سنسکرت ترجمہ شائع کیا ہے (تا حال، راقم اس کتاب تک رسائی حاصل نہیں کر سکا)

٭

گذشتہ چند برسوں سے اسکولوں، کالجوں میں اور ریڈیو ٹی وی کے اہتمام سے مختلف سطحوں پر اقبالیات سے متعلق سالانہ معلوماتی مقابلے یعنی اقبال کوئز تواتر کے ساتھ منعقد ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں اب تک متعدد کتابیں چھپ چکی ہیں۔ ۱۹۸۴ء میں معلوماتِ اقبال سے متعلق تین نئی کتابیں منظرِ عام پر آتی ہیں۔ محمد کلیم آرائیں کی "علامہ اقبال اور دو ہزار سوالات" امتیاز علی کی "معلوماتِ علامہ اقبال" اور اعجاز بٹ کی "اقبال اور اقبالیات" تینوں کتابیں اپنی اپنی جگہ "مستند" اور اقبالیات کا "انسائیکلوپیڈیا" ہیں، مگر سرسری ورق گردانی کرتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ بہت سے سوالات بے تکے ہیں۔ بعض معلومات سرے سے غلط ہیں، سوالات کی تکرار ہے اور ترتیب غلط اور الٹ ہے "میکلوڈ عربیک ریڈر" کے بجائے "میکلوڈ کریک ریڈر" "نانک بخش میڈل" کے بجائے "نواب بخش میڈل" "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" کے بجائے "پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق" اور یہ کہ علامہ اقبال کی والدہ ماجدہ قبرستان بی بی پاک دامن لاہور (بجائے سیالکوٹ) میں مدفون ہیں، اور یہ کہ علامہ اقبال کا انتقال ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو شام ۵ بجے (بجائے صبح ۵ بجے) ہوا، یہ کہ مزارِ اقبال کی خطاطی پرویں رقم نے کی، حالانکہ پرویں رقم مزارِ اقبال کی تعمیر سے پہلے ہی خدا کو پیارے ہو چکے تھے وغیرہ۔ اس عبرت ناک پہلو کے دو سبب ہیں، اوّل: ایسی کتابیں کاروباری تقاضوں کے تحت مرتب اور شائع کی جاتی ہیں اور یہ بعض نامور مصنفین کی "مستند" کتابوں کو سامنے رکھ کر تیار کی جاتی ہیں ہمارے متعدد نامور مصنفین بھی بعض معاملات میں بلا تحقیق اجو چاہتے ہیں، لکھ دیتے ہیں یا یہ دیکھے بغیر کہ کل انہیں کی بات سند مانی جائے گی اور ہمارے ناشرین بھی محض بڑا نام دیکھ کر مسوّدہ جوں کا توں چھاپ دیتے ہیں۔ ستم تو یہ ہے کہ بعض نامور لوگوں کی ایسی کتابیں، جن کی اشاعتِ اوّل پر بہت لے دے ہوئی، ناشرین نے انہیں دوبارہ جوں کا توں چھاپ دیا ہے۔ یہ معلوماتی کتابیں انہی "مستند" مصنفین کی تصانیف سے تیار کی جاتی ہیں دوم: ہمارے ماہرینِ اقبالیات، ایسی کتابیں لکھنے سے شرماتے ہیں۔ غالباً وہ اسے اپنے منصب سے فروتر سمجھتے ہیں کہ طلبہ اور نوجوانوں کے لیے معلوماتِ اقبال قسم کی کتابیں تیار کر دیں، اور ان ہزاروں بچوں اور نوجوانوں کی رہنمائی کا باعث بنیں، جو معیاری کتابوں کی عدمِ دستیابی کے سبب نام نہاد "اقبال انسائیکلوپیڈیاؤں" سے گمراہ ہوتے ہیں۔

اس برس دو مجموعے بچوں کے لیے بھی شائع ہوئے ہیں۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کا تیار کردہ مجموعہ: "اقبال بچوں اور نوجوانوں کے لیے" عام فہم زبان اور سادہ اسلوب میں چند کہانیوں کا مجموعہ ہے، جو اقبال کی اردو فارسی منظومات کی بنیاد پر تحریر کی گئی ہیں۔ اس مجموعے کے کہانی نما مضامین میں نظموں کے سبق آموز زاویے کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس مجموعے کی تحریر و ترتیب کا کام ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی، ڈاکٹر محمد ریاض، پروفیسر رحیم بخش شاہین اور راقم الحروف نے انجام دیا ہے۔

بچوں کے ماہنامے "کوثر" نے اپنے شمارۂ نومبر کو "اقبال نمبر" کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس کے لکھنے والوں میں پروفیسر طاہر فاروقی، حفیظ جالندھری مرحوم، پروفیسر محمد منور، حفیظ ہوشیار پوری، خان بہادر محمد انعام اللہ اور مقبول انور داؤدی شامل ہیں۔

دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں متفرقات میں شمار کرنا چاہیے۔ علامہ صوفی وارثی میرٹھی کی یاد میں مجلہ "خیال" کا ایک شمارہ "نذرِ اقبال" کے عنوان سے اقبالیات کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اس میں شامل بہت کم تحریریں ایسی ہوں گی، جو قارئین کی نظر سے پہلے نہ گزر چکی ہوں۔ بیشتر قلم کار نوخیز و نوآموز ہیں۔ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، خلیفہ عبدالحکیم اور ڈاکٹر میر ولی الدین کے مضامین بالکل سامنے کے ہیں اور بار بار چھپ چکے ہیں۔ مناسب ہوتا اگر ان بزرگوں کی ایسی نگارشات انتخاب کی جاتیں جو، اس مجموعے کے دیگر مضامین کی طرح نسبتاً عام فہم ہوتیں۔ بہر حال اقبال کے عام قارئین اور طلبہ کے لیے اس مجموعے کی افادیت مسلّم ہے۔

گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج بھائی پھیرو نے "بیادِ اقبالؒ" کے نام سے ایک مجموعۂ مضامین پیش کیا ہے، جس میں اقبالیات کے روایتی موضوعات پر نو مضمون اور ایک نظم شامل ہے۔ بایں ہمہ ایک چھوٹے سے ادارے کی طرف سے حضرتِ علامہ کی یاد تازہ کرنے کی یہ کاوش بھی قابلِ قدر ہے۔

❊

اقبالیات میں، مجلات کے اقبال نمبروں کی روایت خاصی پرانی ہے۔ سب سے پہلا اقبال نمبر ۱۹۳۲ء میں "نیرنگِ خیال" نے شائع کیا، اور اس کے بعد سے اب تک سیکڑوں اقبال نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۹۸۴ء میں "اقبال ریویو"، "نقد و نظر"، "ماہِ نو"، "صحیفہ" اور مجلہ "اقبال" نے اقبال نمبر شائع کیے ہیں۔

"اقبال ریویو" کی خصوصی اشاعت (جنوری ۱۹۸۴ء) جملہ اقبال نمبروں میں ضخیم اور وقیع ہے۔ اس میں ایک مضمون اور ایک تبصرے کے سوا، تمام مقالات و تبصرے اقبالیات سے متعلق ہیں۔ "اقبال اور ترکی" (محمد یعقوب مغل)، "یونیورسٹیوں میں مطالعۂ اقبال" (ڈاکٹر سید معین الرحمٰن)، "علامہ اقبال کے غیر مطبوعہ رقعات بنام پرویں رقم" (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی) اور "اقبال اور عبدالمجید قرشی" (افضل حق قرشی) تحقیق و معلومات کا امتزاج ہیں جبکہ

سمیع اللہ قریشی، ڈاکٹر حسن اختر، ڈاکٹر سعد اللہ کلیم اور ڈاکٹر صدیق جاوید کے مقالات کی نوعیت تنقیدی ہے۔

دوسری خصوصی اشاعت علی گڑھ کے سہ ماہی تنقیدی مجلے "نقد و نظر" کی ہے، جسے ہندوستان کے نامور نقاد اور اقبال شناس پروفیسر اسلوب احمد انصاری محض اپنی دلچسپی اور کاوش سے شائع کر رہے ہیں۔ زیر نظر شمارہ اقبال نمبروں کے سلسلے کا چوتھا شمارہ ہے، قبل ازیں ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۳ء میں وہ تین اقبال نمبر پیش کر چکے ہیں۔ زیر نظر شمارے میں چار تنقیدی مقالات، اقبال کی تین غزلوں کے تجزیاتی مطالعے اور اقبالیات سے متعلق تین نئی کتابوں پر تفصیلی تبصرے شامل ہیں۔ پروفیسر انصاری کا اداریہ بھی، تنقیدی مقالے سے کم نہیں۔ اس میں ہندوستان کے بعض اقبالی نقادوں (از قسم پدم شری کلیم الدین احمد وغیرہ) پر گرفت کی گئی ہے۔ اپنے اداریے کے آخر میں وہ لکھتے ہیں: "اقبال کی شاعری اپنے آخری تجزیے میں ایک گہرے مذہبی اور روحانی شعور کی شاعری ہے۔ اس شاعری کے پس پشت، جو نظام حیات و کائنات کار فرما ہے، وہ ایک انفرادی شان رکھتا ہے، اور ہمہ گیریت بھی۔ اسے اپنی شخصیت کے خلیوں میں جذب کر کے، انہوں نے ایک ایسی توانا اور پہلو دار شاعری کو، جو جمال و جلال دونوں عناصر بیک وقت اپنے اندر رکھتی ہے، جنم دیا ہے۔" پروفیسر اسلوب احمد انصاری ہندوستان میں جس ولولے اور لگن کے ساتھ اقبالیات کا پرچم بلند کیے ہوئے ہیں اور جس راست فکری کے ساتھ اقبالیاتی ادب میں ٹھوس اضافہ کر رہے ہیں "نقد و نظر" کے اس شمارے کو، اس کا ایک نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

"ماہ نو" کے اقبال نمبر (نومبر ۱۹۸۳ء) میں سولہ مقالات و مضامین شامل ہیں۔ ان میں موضوعات کا تنوع ضرور ہے، مگر بیشتر موضوعات پرانے ہیں، اس لیے قند مکرر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حصہ منظومات میں نئے پرانے شعرا کے ہدیہ ہائے عقیدت اور اقبال کی بعض نظموں کے ترجمے شامل ہیں۔ "ماہ نو" میں ثاقب رزمی کی کتاب 'اقبال، ایک مطالعہ' پر ایک مختصر سا سرسری تبصرہ دیا گیا ہے۔ بحیثیت مجموعی، روایتی اعتبار سے "ماہ نو" کا یہ نمبر مناسب ہے۔

"اقبال" کا اقبال نمبر اپریل ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔ اقبالیات سے متعلق چار مقالات اور ایک تبصرۂ کتب پر مشتمل ہے۔ ان میں پروفیسر وارث میر کا مضمون: "اقبال شناسی کی نئی جہتیں" نسبتاً ایک نئے موضوع سے بحث کرتا ہے۔ یہ موضوع اقبال کے بعض خطوط کی بنیاد پر پیدا ہوا۔ جن میں انہوں نے کہا کہ پاکستان میری اسکیم نہیں ہے۔ راغب احسن اور ایڈورڈ تھامسن کے نام بعض خطوط کے حوالے سے وارث میر کے علاوہ پروفیسر محمد منور (انٹرویو: 'جنگ' لاہور ۹ نومبر) اور ڈاکٹر جاوید اقبال ('زندہ رود' حصہ سوم نیز انٹرویو 'نوائے وقت' لاہور، ۹ نومبر) نے بھی بحث کی ہے۔ پروفیسر وارث میر کے خیال میں ایڈورڈ تھامسن اور راغب احسن کے نام خطوں کے حوالے سے یہ قرار دینا درست نہیں کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کے تصور سے انحراف کر چکے تھے کیوں کہ یہ 'اقبال کی سیاسی سوچ کی ایک وقتی لہر' تھی، اور دو سال بعد وہ 'اپنے ذہن کے تمام جالوں کو صاف' کر چکے تھے (بہ حوالہ خطوط بنام قائد اعظم)۔

"صحیفہ" کے اقبال نمبر میں اقبالیات سے متعلق صرف تین مقالات شامل ہیں۔ محمد عبد اللہ قریشی نے اقبال کی

"صحیفہ" کے اقبال نمبر میں اقبالیات سے متعلق صرف تین مقالات شامل ہیں۔ محمد عبداللہ قریشی نے اقبال کی تاریخ گوئی، شاہین ملک نے اقبال کے تصوراتِ فن اور احمد ندیم قاسمی نے علامہ کی معروف نظم "شمع و شاعر" پر مقالات پیش کیے ہیں۔

بطورِ ایک روایت، ہمارے اردو روزناموں نے بھی اپریل اور نومبر میں اقبال ایڈیشن شائع کیے جن میں "الا ماشاءاللہ" پرانے، گھسے پٹے موضوعات پر رسمی و روایتی انداز کے مضامین شامل کیے گئے۔ اخباری مضامین میں درجہ اول کی چیز صرف محمد اکرم چغتائی کا مضمون ہے۔ انہوں نے "اقبال اور ویگے ناست" (نوائے وقت ۹، ۱۵ نومبر) میں ویگے ناست کے بارے میں بعض نئی معلومات پیش کی ہیں جو انہوں نے دورۂ جرمنی کے دوران میں مختلف ذرائع سے چند بنیادی ماخذات تک رسائی حاصل کر کے فراہم کی تھیں ـــــ اخبارات کے اقبال نمبروں میں بعض تحریریں تو اس قدر اوٹ پٹانگ، لغو اور گمراہ کن ہیں کہ اگر قبالیات سے متعلق ملک میں کوئی مقتدرہ موجود ہوتی تو اسے ایسی بے بنیاد تحریریں شائع کرنے پر غیر ذمہ دارانہ صحافت کا احتساب کرنا چاہیے۔

ٹہ زیرِ بحث موضوع پر ملاحظہ کیجیے:

لہ اس موضوع پر دیکھیے: (ا) ایس حسن کی کتاب IQBAL : HIS POLITICAL IDEAS AT CROSSROAD (علی گڑھ - ۱۹۷۹ء)

(ب) کتاب مذکورہ پر لطیف احمد شیروانی کا تبصرہ بہ عنوان:

در "اقبال ریویو" لاہور

اقبال نمبروں کے علاوہ ہمارے متعدد علمی و ادبی جریدوں میں علامہ اقبال کے فکر و فن پر بیسیوں تنقیدی مقالات شائع ہوئے ـــــ ان مجلات میں "اقبال ریویو" (لاہور) اقبال ریویو (حیدرآباد دکن) اور اقبال (لاہور) اقبالیات کے فروغ کے لیے شائع کیے جاتے ہیں اور ان میں شامل بیشتر مقالات، اقبالیات ہی سے متعلق ہیں ـــــ ان مجلات میں اقبال اکادمی پاکستان لاہور کے "اقبال ریویو" کا اسکور سب سے زیادہ ہے۔ یعنی چار شماروں میں ۳۰ سو اردو انگریزی مقالات اور تین تبصرے ـــــ مگر اس اونچے اسکور سے قطع نظر بیشتر مقالات اپنے معیار و قدر و قیمت کے اعتبار سے بھی خاصے کی چیز ہیں۔ مثلاً اقبالیاتی تحقیق کے ضمن میں ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کا مضمون، جس میں دنیا بھر کی جامعات میں پی ایچ ڈی، ایم اے اور ایم فل وغیرہ کے لیے اقبال پر تحقیقی کام کی تفصیل مہیا کی گئی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال کی وفات کے بعد ۵۴ برسوں میں مختلف جامعات نے اقبال پر تحقیق کے سلسلے میں پی ایچ ڈی اور ایم فل کی تقریباً ۵۴ ڈگریاں عطا کیں۔

تحسین فراقی نے اپنا تنقیدی تجزیاتی مضمون "جلوہ خوں گشت و نگاہے بہ تماشا نہ رسید" حلقہ اقبال لاہور کے اولیں اجلاس میں پڑھ کر داد سمیٹی تھی۔ انھوں نے اقبال پر کلیم الدین احمد، سلمان رشید، مجنوں گورکھپوری، سلیم احمد، ڈاکٹر نکلسن، میری شمل اور بعض روسی اور ایرانی نقادوں کے کام کا جائزہ لیا ہے۔ فراقی صاحب اقبالی تنقید کے موجودہ معیار و منہاج سے قطعاً مطمئن نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ "اقبال فکر و فن کا ہمالہ ہیں۔ انہیں ان کی کلیت میں سمجھے اور پڑھے بغیر ان پر تنقید و محاکمہ کی چوبیں عمارت کھڑی کرنا دوسروں کی دنیا اور اپنی عاقبت خراب کرنے کے مترادف ہے.... اقبال کو مجاورین کی نہیں، مجاہدین اور ریوسک وژن رکھنے والے مجتہدین کی ضرورت ہے۔" ـــــ مرزا محمد منور، "اقبال ریویو" کے واحد مضمون نگار ہیں، جنھوں نے اس تواتر و تسلسل کے ساتھ لکھا کہ کوئی شمارہ ان کے مقالے سے خالی نہیں ـــــ مرزا صاحب کی علمیت اور ان کے مقالوں کے معیار کے بارے میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ "اقبال ریویو" کے بعض دیگر لکھنے والوں میں ڈاکٹر محمد ریاض، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی، ڈاکٹر عبدالشکور احسن، جیلانی کامران، ڈاکٹر رفعت حسن، ڈاکٹر عبدالخالق، نور محمد قادری اور نادر قمبرانی نے اقبال کی فکری اور شعری جہات پر تنقیدی مقالات لکھے ہیں ـــــ مجلہ "اقبال" میں مطبوعہ محمد عبداللہ قریشی کے مضمون "علامہ اقبال کا ایک خط پروفیسر رشید احمد صدیقی کے نام" سے بظاہر یہ تاثر ہوتا ہے کہ یہ کوئی نادر تحریر ہے، مگر علامہ کا یہ مکتوب (ر) "نقوش" کے مکاتیب نمبر، (ب) "ماہِ نو" اپریل ۱۹۷۰ (مارچ) اور "ہماری زبان" دہلی کے شمارہ جولائی ۱۹۸۴ء میں چھپ چکا ہے۔ نیز "انوارِ اقبال" میں بھی شامل ہے۔ قریشی صاحب نے

اسے "ہماری زبان" کے حوالے سے شائع کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی ماقبل اشاعتوں سے باخبر نہیں ہیں۔ اسی لیے انھوں نے حافظ کے شعر کی تلاش و تحقیق میں "دیوانِ حافظ" کے بہت سے نسخوں کو کھنگال ڈالا۔ حالانکہ یہ شعر بشیر احمد ڈار نے "انوارِ اقبال" میں متعلقہ خط کے حاشیے میں درج کر رکھا ہے۔

۱۹۸۴ء میں "اقبال ریویو" حیدر آباد دکن کا ایک ہی شمارہ شائع ہوا، جس کا مفصل ذکر اوپر آچکا ہے۔ —— "اوراق" کے مقالات میں ڈاکٹر سید عبداللہ کا مقالہ: "ابوریحان البیرونی، اقبال کی نظر میں" ان کی کتاب "مطالعۂ اقبال کے چند نئے رُخ" میں شامل ہے —— "اوراق" ہی میں دو اور مبسوط مقالے شائع ہوئے ایک جگن ناتھ آزاد کا: "اقبال اور جوش" اور دوسرا ڈاکٹر معین الدین عقیل کا: "اقبال اور مسئلہ فلسطین" "صحیفہ" میں صابر کلوروی کا مقالہ "مکاتیب اقبال کے مآخذ، چند مزید حقائق" خطوط اقبال کے موضوع پر ایک عمدہ تحقیقی کاوش ہے —— اعظم گڑھ کے "معارف" میں شائع شدہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن کا مقالہ "کیا علامہ اقبال یورپ کے فلسفے سے متاثر ہوئے؟" بھی لائق مطالعہ ہے۔

اقبالیات کے مختلف موضوعات پر شائع ہونے والے مضامین و مقالات کے بارے میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ بیشتر مقالات رسمی و روایتی، سرسری اور بے مغز ہیں۔ علامہ اقبال پر کچھ لکھنا رسمِ اذاں کے مترادف بنتا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں علمی مجلات کے مدیران کرام کو اپنے مشمولات کا ایک خاص معیار قائم کرنا چاہیے۔ اس سے ان مجلات کے ساتھ ساتھ بحیثیت مجموعی اقبالیات کا ایک وقار قائم ہوگا۔

۷

اقبالیات کے اس سالانہ جائزے میں ایک تکلیف دہ پہلو کا ذکر ناگزیر ہے —— اور وہ ہے، ۱۹۸۴ء کی وفیات۔ اس برس متعدد اقبال شناس ہم سے بچھڑ گئے —— ان میں نمایاں نام پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا ہے —— موصوف اقبال کے شرح نگار کی حیثیت سے زیادہ معروف ہیں، مگر ان کا مقام ایک شارح سے آگے ایک عالم، فلسفی اور ادیب کا ہے —— انھیں حضرت علامہ اقبال کی صحبت نصیب ہوئی، ان کے بقول انھوں نے علامہ سے ان کی شاعری کا باقاعدہ درس لیا، یوں وہ اقبال کے فیض یافتہ تھے —— عمر کے آخری دور میں انھوں نے "تاریخ تصوف" پیش کی، جس پر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ یوسف سلیم چشتی واحد شارح قبیل ہیں، جنھوں نے اقبال کے پورے کلام کی شرحیں لکھیں۔ ان کی شرحیں بہت طویل ہیں، مگر چشتی صاحب کی علمیت

اور راست فکری میں کلام کی گنجائش بہت کم ہے۔ ان کی تشریحات و تعبیرات میں اختلاف ممکن ہے، مگر انہوں نے اقبال کے بنیادی فکر کو کسی آلودگی کا شکار نہیں ہونے دیا اور کعبے کے مسافر کو ترکستان کا راستہ نہیں بتایا۔ ان کی شرحوں سے اقبال فہمی کا ایک شعور پیدا ہوا۔ فروغِ اقبالیات کی گذشتہ نصف صدی کی تاریخ لکھی جائے گی، تو اس میں چشتی صاحب کا نام بہت نمایاں ہوگا۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی کا سانحۂ ارتحال بھی اس برس (۱۹ دسمبر کو) ہوا۔ ان کی بنیادی حیثیت فنِ تعمیر کے ایک ماہر کی تھی، مگر علامہ اقبال کے قریبی رفیق ہونے اور اقبالیات پر بعض قیمتی تحریروں کے مصنف ہونے کے سبب وہ "اقبالیات: ۱۹۸۴ء کے جائزے" میں کسی صورت نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ وہ ان اکابر میں سے تھے جو خاصے طویل عرصے تک مختلف حیثیتوں اور حوالوں سے شاعرِ مشرق سے وابستہ رہے —— یوں تو چغتائی صاحب سے دو کتابیں "روایاتِ اقبال" اور "اقبال کی صحبت میں" یادگار ہیں، مگر ان کے بعض مقالات، مثلاً: "لاہور میں علامہ اقبال کی قیام گاہیں" اسی طرح "خطباتِ مدراس کا پس منظر" کی حیثیت اپنے موضوع پر بنیادی مآخذ کی ہیں۔ وہ کئی سفروں میں علامہ کے ہم رکاب رہے اور سفر و حضر کی بعض جزئیات و تفصیلات کے واحد راوی ہیں خصوصاً سفرِ مدراس کے —— اقبالیات کی تاریخ میں ان کا نام محفوظ رہے گا

بھارت کے ایک اقبال شناس ڈاکٹر حاتم رامپوری کا نام، پاکستان میں زیادہ معروف نہیں، مگر اقبالیات پر ان کا تحقیقی و تنقیدی کام نہایت وقیع ہے۔ ڈاکٹریٹ کے لیے انہوں نے "تصورِ بشر اور اقبال کا مردِ مومن" کے موضوع پر تحقیق کی، اور ان کا مقالہ اسی عنوان سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تھا۔ اقبال پر ان کے تنقیدی مقالات کا مجموعہ "اقبال آشنائی" دو برس بعد چھپا —— ان کے مقالات دفتری اور رسمی نوعیت کے ہیں اور نہ ان کی تحریر بے مغز۔ بھارت کے اقبال شناسوں میں ان سے کچھ توقعات وابستہ تھیں۔ اقبالیات کے ضمن میں کچھ منصوبے ان کے پیشِ نظر تھے۔ افسوس کہ پچاس سے بھی کم عمر میں وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حاتم اپنے پیشے کے اعتبار سے مدرس تھے اور بہار یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے وابستہ تھے۔

اسی برس معروف برطانوی صحافی اور مؤرخ اور علامہ اقبال اور پاکستان کے ایک مداح جناب آئن اسٹیفنز خالقِ حقیقی سے جا ملے، انہیں "اقبال شناس" کی بجائے "اقبال دوست" کہنا چاہیے۔ موصوف ایک طویل عرصے تک "اسٹیٹس مین" کے مدیر رہے۔ وہ کانگریس کی قوم پرستی کے بجائے دو قومی نظریے کے حامی تھے۔ ۱۹۳۰ء میں قیامِ دہلی کے زمانے میں وہ علامہ اقبال سے ملے تھے اور ان کے بقول ان کے بعد ہی سے تشکیلِ پاکستان سے ان کی دلچسپی شروع ہوئی۔ تقسیم کے بعد پنڈت نہرو سے ان کا نظریاتی اختلاف بڑھ گیا، مجبوراً وہ "اسٹیٹس مین" کی ادارت سے الگ ہو گئے بعد ازاں انہوں نے "پاکستان" کے عنوان سے ایک کتاب بھی لکھی —— اقبال زمانۂ طالب علمی میں کیمبرج کے جس مکان میں (واقع، ایم پیجگال پلیس) میں مقیم رہے وہاں اقبال کی یادگاری تختی لگانے کا تصور سب سے پہلے انھی آئن اسٹیفنز نے پیش کیا۔ پھر اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نہایت مستعدی کے ساتھ متعلق سرکاری اداروں کو خطوط بھی

لکھے اور بعض افراد سے ملاقاتیں کیں۔ برطانیہ میں مقیم ایک اور اقبال دوست ڈاکٹر سعید اختر درانی کی معاونت سے آئن اسٹیفنز کی کاوشیں رنگ لائیں اور ۲۲ جون ۱۹۸۷ء کو ایک مختصر تقریب میں کیمبرج کے اس مکان پر علامہ اقبال کی یادگاری تختی نصب کی گئی، جو وہاں سے گذرنے والوں کو ہمیشہ علامہ کی یاد دلاتی رہے گی۔
آئن اسٹیفنز کا یہ کنٹری بیوشن اقبالیات کی تاریخ میں بہرحال یادگار رہے گا۔

اس سالانہ جائزے کے آخر میں، اگر ہم "اقبالیات ۱۹۸۴ء" پر حسابی نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ایک سال میں ۵۴ چھوٹی بڑی کتابیں اور ایک سو سے زائد مضامین و مقالات تحریر کیے گئے (متعدد پرانی کتابوں کے نئے ایڈیشن بھی چھپے) مزید برآں اگر آپ ان جلسوں، مذاکروں، کانفرنسوں، طلبہ کے مختلف سطحوں کے نوع بہ نوع تقریری اور کوئز مقابلوں کو بھی تصور میں لائیے، جو پاکستان کے طول و عرض اور بیرون پاکستان دنیا کے مختلف حصوں میں اقبال کی یاد تازہ کرنے اور تازہ رکھنے کے لیے منعقد ہوئے تو آپ کو احساس ہوگا کہ اقبال اپنی وفات کے قریب قریب نصف صدی بعد، آج بھی دلوں میں بستا ہے۔ اس کا نام سنتے ہی دل دھڑکنے اور آنکھیں چمک اٹھتی ہیں اس کے کلام کو سننے اور پڑھتے ہوئے بے اختیار جھوم اٹھنا بالکل ایک فطری امر ہے۔ اقبال کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ آج ایک عالم اقبال کی شاعری کے سحر میں گرفتار اور اس کی ساحری کا اسیر ہے۔

ایک احساس یہ بھی ہوتا ہے کہ اگرچہ اقبالیاتی ادب کے ذخیرے میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، اور اقبالیات سے شغف رکھنے والے برابر مضامین نو کے انبار لگاتے جا رہے ہیں مگر پورے ایک سال میں معیاری اور باقی رہ جانے والی تحریریں بہت کم وجود میں آئی ہیں چنانچہ اقبالیات کے مختلف شعبوں میں ٹھوس تحقیقی کام کرنے کی دعوت گنجائش موجود ہے، بلکہ اشد ضرورت بھی ہے ___ اور اس ضمن میں منظم منصوبہ بندی محققین اقبال اور اقبالی اداروں کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ تاکہ اقبالیات کا گراف، افقی اور عمودی دونوں اعتبار سے دنیائے علم و فکر اور شعر و ادب کے لیے قابلِ رشک حیثیت اختیار کرے ___ نامناسب نہ ہوگا اگر میں اپنی بات اقبال کے ایک شعر پر ختم کروں ؎

صفتِ برق چمکتا ہے مرا فکرِ بلند
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمتِ شب میں راہی!

(۱۰ مارچ ۱۹۸۵ء)

۲ اشاریہ مطبوعاتِ اقبالیات ۱۹۸۴ء

ذیل میں "اقبالیات: ۱۹۸۴ء" میں مذکور تمام مطبوعات (تنقیدی کتابوں، تراجم، تحقیقی مقالوں، اقبال نمبروں اور متفرق مقالات و مضامین) کا اشاریہ دیا جا رہا ہے ـــــ اس کا مقصد ضروری کتابیاتی کوائف مہیا کرنا ہے۔ مضمون کے اندر یہ تفصیل دینے کا محل نہ تھا۔ یہ اشاریہ مطبوعات کی نوعیت کے اعتبار سے پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) تنقید و تحقیق
(۲) تراجم
(۳) تحقیقی مقالے (غیر مطبوعہ)
(۴) اقبال نمبر
(۵) متفرق مضامین و مقالات

<u>اس اشاریے میں:</u>

(ا) روزناموں کی خصوصی اشاعتوں اور اُن کے مندرجات کو شامل نہیں کیا گیا۔
(ب) کلامِ اقبال کے سنسکرت ترجمے کی کتاب کا ذکر نہیں ملے گا کیونکہ تاحال اس تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی۔

تنقید و تحقیق

آل احمد سُرور (مرتب)
تشخص کی تلاش کا مسئلہ اور اقبال: اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر
اپریل ۱۹۸۴ء ــ ۴ + ۱۲۴ + ۲ ص، ۲۱۰ x ۱۴ س م ـ ۳۰ روپے، پیپر بیک
(اقبال انسٹی ٹیوٹ سری نگر کے زیر اہتمام منعقدہ ایک سیمینار ۸ ـ ۱۰ جولائی ۱۹۸۳ء کے مقالات)
<u>اردو:</u> پیش لفظ از آل احمد سُرور۔ خطبہ افتتاحیہ از شیخ محمد عبداللہ۔ تشخص کا مسئلہ اقبال اور مولانا آزاد کی نظر میں از آل احمد سرور۔ تشخص اور تنوع از پروفیسر عالم خوند میری۔ بدلتی ہوئی دنیا میں تشخص کا مسئلہ از ضیاءالحسن فاروقی۔ اقبال، شاعر خطبات از پروفیسر مشیر الحق۔ تشخص کی جستجو، کلام اقبال کے

پس منظر میں از ساجدہ زیدی۔ اقبال کی شاعری میں تشخص کا مسئلہ از عابدی کاشمیری ــــ روداد مذاکرہ از نصرت اندرابی اور شفیقہ رسول۔

انگریزی : اسلام اور مسلم تشخصات کی کائنات میں از طراج پوری ــــ ہندو تشخص از پروفیسر پی این پشپ۔ مسلمان : تشخص اور مصائب از ڈاکٹر اے کیو رفیقی۔

اشفاق احمد صدیقی، ڈاکٹر

شاعر اعظم "علامہ اقبال کے فکر وفن اور شخصیت و پیغام کا اجمالی تذکرہ" : ملک سنز تاجران کتب کارخانہ بازار فیصل آباد ــ ۱۹۸۴ء ــ ۱۸۶ ص ــ ۲۲ x ۱۴ س م ــ ۲۰ روپے

مباحث : تصور پاکستان ــ افکار نو ــ افکار و خیالات ــ دعائیہ کلام ــ عورت ــ اقبال کا شاہین ــ اقبال کا فلسفہ تصوف ــ شاعر اعظم چند غیر مسلموں کی نظر میں ــ جوش کی ہرزہ سرائی اور جواب ــ وصال

ابو سلمان شاہجہان پوری، ڈاکٹر

علامہ اقبال اور مولانا محمد علی : ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان کراچی ــ ۱۹۸۴ء ــ ۱۳۱ ص ۲۱ x ۱۳½ س م ــ ۲۰ روپے مجلد

مقالات از مصنف (۱) مولانا محمد علی بحیثیت نقاد و ماہر اقبالیات (۲) علامہ اقبال اور مولانا محمد علی

مقالات از مولانا محمد علی جوہر : (۱) میرا استاد، اقبال (۲) طبیب حاذق سر محمد اقبال کا نیا نسخہ (۳) شاعر وطن، اقبال (۴) شاعر اسلام، اقبال (۵) شمع و شاعر کے مصنف سے ایک سوال

امتیاز علی

معلومات علامہ اقبال (سوالاً جواباً) : علیم پبلشرز، قذافی مارکیٹ، اردو بازار لاہور ۲۰۔۴۔۱۹۸۴ء ۱۱۹ ص ــ ۱۷½ x ۱۲ س م ــ ۹ روپے پیپر بیک

بشیر احمد ڈار

اقبال اور احمدیت : آئینہ ادب چوک مینار، انارکلی لاہور ــ ۱۹۸۴ء ــ ۱۲۷ ص ــ ۲۱ x ۱۳ س م ــ ۱۵ روپے مجلد

ثاقب رزمی

اقبال، ایک نیا مطالعہ : آئینہ ادب چوک مینار انارکلی لاہور ــ ۱۹۸۴ء ــ ۱۴۴ ص ۲۱ x ۱۳ س م ــ ۱۵ روپے مجلد

پیش لفظ از پروفیسر محمد عثمان ــ اقبال کی مسیحائی عالمگیر ہے [دیباچہ] از پروفیسر ممتاز حسین۔ اقبال کے معاشی افکار [تقریظ] از رفیع اللہ شہاب ــ حرف اول از مصنف

مباحث : اقبال کا عہد۔ روحِ عصر اور اقبال ۔ دو ادبی دھارے ـــ اقبال کی ترقی پسندی زندگی اور اقبال ـــ اقبال اور زندگی کا معاشی پہلو ـــ معاشی استحصال کا احساس اور اقبال تنقید مغرب اور اقبال ـــ مغربی سامراج اور اقبال ـــ اقبال اور روس ـــ اقبال اور سرمایہ داری نظام ـــ اقبال اور طبقاتی شعور ـــ طبقاتی جدوجہد اور اقبال ـــ اقبال اور انقلاب ـــ لاطبقاتی معاشرہ اور اقبال ۔

جاوید اقبال، ڈاکٹر

زندہ رود، حیات اقبال کا اختتامی دور : شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، چوک انارکلی لاہور۔ ۱۹۸۴ء ـــ ۷۱۱ ص ـــ ۲۴ × ۱۵/۲ س م ـــ ۷۵ روپے مجلّد

مباحث : عملی سیاست کا خار زار ـــ دورہ جنوبی ہند ـــ مسلم ریاست کا تصور ـــ گول میز کانفرنسیں ـــ افغانستان ـــ علالت ـــ آخری ایام

جعفر بلوچ (مرتب)

اقبالیات اسد ملتانی : مکتبہ بکس ۵ بخشی سٹریٹ چوک اردو بازار لاہور ـــ ۱۹۸۴ء ـــ ۱۲۰ ص ـــ ۲۰/۲ × ۱۴/۲ س م ـــ ۲۰ روپے مجلّد

دیباچہ از ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

مقالات از مرتب : (۱) اسد ملتانی، ایک تعارف (۲) اقبال اور اسد ملتانی

مضامین از اسد ملتانی : (۱) شبنم کا قطرہ (۲) فیضانِ اقبال

اسد ملتانی کی سولہ منظومات اور چند متفرق اشعار دربارۂ اقبال

حق نواز

اقبال اور لذتِ پیکار : اقبال اکادمی پاکستان ۱۱۶ میکلوڈ روڈ لاہور ـــ نومبر ۱۹۸۴ء، ۲۱۲ + ۴ ص ـــ ۲۱ × ۱۳/۲ س م ـــ ۳۴ روپے مجلّد

("اسرارِ خودی" سے متعلق بحثوں کی روداد جس میں اقبال کی تحریروں، خطوط اور بیانات کو جمع کر دیا گیا ہے)

شمیم ملک، ڈاکٹر

اقبال کی قومی شاعری : مقبول اکیڈمی ۱۹۹ سرکلر روڈ، چوک انارکلی لاہور۔ [۱۹۸۴ء] ۲۲۱ ص ـــ ۲۰/۲ × ۱۴/۲ س م ـــ ۴۲ روپے مجلّد

مقدمہ از ڈاکٹر عبادت بریلوی

ابواب : (۱) لفظ قومی کا مفہوم، اور اس کے معنوی حدود۔ (۲) اردو شاعری میں قومیت

کے تصور کا ارتقاء (۳) قومی شاعری کے اہم نمائندے (۴) ہندوستان کی محبت اور اس کے متعلق اقبال کے تصورات، اقبال کی شاعری کا پہلا دور اور اس کے موضوعات (۵) اقبال کی شاعری کا دوسرا اور تیسرا دور اور اس کے موضوعات (۶) اقبال اور دوسرے قومی شاعروں کا مقابلہ

شبیر احمد قادری (مرتب)

اقبالی معلومات : بیناٹس بک ڈپو امین پور بازار فیصل آباد ـــ ۱۹۸۴ء ـــ ۲۱۳ ص ـــ ۱۷ × ۱۲ س م ـــ ۱۵ روپے

(اقبال اور اقبالیات سے متعلق معلومات سوالاً جواباً)

ظفر اوگانوی (مرتب)

رموزِ اقبال : اقبال صدی تقریبات کمیٹی، شعبہ اردو، کلکتہ یونیورسٹی ۔ کلکتہ ۱۹۸۴ء ۲۱۶ + ۱۶ + ۵۴ ص ـــ ۲۱ × ۱۳½ س م ـــ ۴۰ روپے مجلد

(اقبال صدی سیمنار منعقدہ ۱۶ ۔ ۱۸ نومبر ۱۹۷۹ء، کلکتہ یونیورسٹی کے مقالات)

پیش لفظ از ظفر اوگانوی ۔ خطبہ جمیل مظہری (اقبال کی تصویر کی نقاب کشائی کے موقع پر)

اردو مقالات : اقبال کے ان حرکی پیکر از اسلوب احمد انصاری ۔ اقبال اور آربندو از ڈاکٹر وحید اختر ۔ کلام اقبال کے نثری معانی از ڈاکٹر وہاب اشرفی ۔ اقبال کی اردو نظم گوئی از عبدالقوی دسنوی ۔ اقبال کی ایک کلیدی نظم از ڈاکٹر سید محمد حسنین ۔ اقبال کی شاعری ۔ روایت اور تجربہ از ڈاکٹر عنوان چشتی ۔ اقبال، افرو ایشیا کی پہلی علامت از ڈاکٹر افصح ظفر ۔ اقبال، جدیدیت کے پیش رو از ڈاکٹر لطف الرحمن ۔ اقبال کی اردو نظموں کا تکنیکی سلیقہ از ڈاکٹر قمر اعظم ہاشمی ۔ اقبال کا تصور وطن و آزادی از ڈاکٹر قمر رئیس ۔ اقبال ایک فن کار، از ڈاکٹر عبدالرؤف ۔ افکار اقبال، اپنی اولین منزل میں از شاہ مقبول احمد ۔ اقبال کی ایک شاہکار نظم، مسجد قرطبہ از ڈاکٹر جاوید نہال ۔ اقبال کی شاعری میں علامت نگاری از ڈاکٹر عبدالمنان ۔ بنگال اور اقبال از مشتاق احمد ۔ اقبال اور فلسفۂ آرزو از ڈاکٹر ظفر اوگانوی

پیغامات از ڈاکٹر سنتوش کمار بھٹاچاریہ ۔ پروفیسر بی کے مکرجی ۔ پروفیسر آبست کے بنرجی ۔

انگریزی مقالات : تحسین اقبال از پروفیسر ہربرا شاد مہرا ۔ اقبال کا فلسفۂ حیات از جگن ناتھ آزاد اقبال، نوجوانوں سے از قیصر قلندر ۔ آر بندو اور اقبال از ڈاکٹر

وحید اختر

بنگالی مقالات : شاعر اقبال از پروفیسر آیست کے بنیرجی ۔ شاعر اقبال از ڈاکٹر پرادیوت سین گپتا ۔ بنگالی اور اقبال از مشتاق احمد

عبداللہ، ڈاکٹر سید

مطالعۂ اقبال کے چند نئے رُخ : بزمِ اقبال، کلب روڈ لاہور۔ جون ۱۹۸۴ء ۔ ۲۹۸+۴۷ ص ½۲۰+۱۴ س م ۔ ۴۰ روپے مجلّد

اردو مضامین : (۱) البوریحان البیرونی کا تصور تاریخ اقبال کی نظر میں (۲) اقبال اور انجمن (۳) مسلمانان ہند کی ادبیات پر علامہ اقبال کی تنقید (۴) اقبال اور معراج النبیؐ (۵) اقبال کے کلام میں حرم کا تصور (۶) اقبال کی تنقید مغرب اور اس کی معنویت (۷) اقبال کا مرتبین (۸) اسلامی فقہ کی تدوین نو علامہ اقبال کی نظر میں (۹) اقبال اور صوفی (اختلاف و اتفاق کی کہانی) (۱۰) غایت حیات ، علامہ اقبال اور حکمائے اسلام کی نظر میں (۱۱) رمز ہجرت علامہ اقبال کی نظر میں (۱۲) خودی کی بوقلمونی، نقطہ نوری سے ثقافت تک (۱۳) خطبۂ اقبالیات (۱۴) اقبال کے غیر ملکی مداح اور نقاد (۱۵) اقبال کی اردو شاعری

شذرات (تبصرے، دیباچے، انٹرویو) (۱) اقبال کی شخصیت اور شاعری (۲) خطبات اقبال پر ایک نظر (۳) اقبال کے کلاسیکی نقوش (۴) اقبال کے حضور (۵) ہم گفتگو۔

انگریزی مضامین : (۱) اقبال پر دانتے کے اثرات کی نوعیت (۲) اقبال اور فنون لطیفہ (۳) اقبال، تعلیم کے بارے میں (۴) اقبال کا شاعرانہ فن (۵) فکر اقبال کا مختصر تجزیہ ۔ (۶) اقبال کی شاعری کی تصویری پیش کش (۷) پاکستانی جامعات میں مطالعاتِ اقبال

عبدالمغنی

اقبال کا نظامِ فن : مکتبہ مرتبخ لیڈی امام ہاؤس، پتھر کی مسجد، پٹنہ ۔ ۷ ۔ اپریل ۱۹۸۴ء ۵۵۲ ص ۔ ۲۱ x ۱۳ س م ۔ ۳۰ روپے مجلّد

مباحث : اقبال کا فن ۔ وحدت و انفرادیت ۔ تصور فن ۔ نظم و غزل ۔ اردو غزلیات رباعیات و قطعات ، جدید نظموں پر تنقید اور ان کا تجزیہ ۔ بانگِ درا میں فطرت کی شاعری المیہ شاعری اور رومانی شاعری ۔ ۳۹ منتخب اردو نظموں پر تبصرہ و تنقید اور ان کا فنی تجزیہ

عبدالقوی دسنوی

اقبالیات کی تلاش : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ دسمبر ۱۹۸۴ء ۔ ۲۰۸ ص ۔ ۲۱ x ۱۴ س م ۔ ۳۵ روپے مجلّد

دیباچہ بعنوان : بہار ہو کہ خزاں لاالہ الا اللہ از مصنف

مقامات : (۱) اجمات اقبال (انیسویں صدی میں) (۲) اقبال کی نظم گوئی (۱۹۰۱ء - ۱۹۰۵ء) (۳) اقبال کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری (۴) بچوں کا اقبال (۵) اقبال اور علی بخش (۶) اقبال اور علی گڑھ (۷) اقبال اور پانی پت (۸) اقبال اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری (۹) اقبال اور خواجہ حسن نظامی

محمد اعجاز بٹ

اقبال اور اقبالیات : الاسد پبلی کیشنز کمرہ ۶ پہلی منزل فضل الٰہی مارکیٹ اردو بازار لاہور، ۱۹۸۴ء، ۲۹۲ ص - ۱۸ × ۱۲ س م - ۱۵ روپے پیپر بیک

(سوالاً جواباً معلومات اقبال و اقبالیات)

محمد ریاض، ڈاکٹر
رحیم بخش شاہین (مرتبین)

اقبال بچوں اور نوجوانوں کے لیے : علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد - جولائی ۱۹۸۴ء - ۱۲۳ ص، ۲۴½ × ۱۸½ س م - ۱۵ روپے پیپر بیک

(اقبال کی ۱۳ نظمیں، متن اور فرہنگ - منظومات اقبال پر مبنی ۲۶ کہانیاں - جاوید سے خطاب نئی نسل کو اقبال کی نصیحتیں)

محمد گلزار راحت

اقبال اور مغربی استعمار : مکتبہ طور آبکاری روڈ، انارکلی لاہور ۱۹۸۴ء - ۱۳۶ ص، ۱۲ روپے

مباحث : تہذیبوں کا عروج وزوال - اقبال اور غلامی - اقبال اور تہذیب مغرب - اشتراکیت اور فسطائیت میں مماثلت - مغربی سیاسی استعمار کا ظہور - اقبال اور جمہوریت - سیاست افرنگ یا ابلیسی نظام - اقبال اور ملوکیت - ارض فلسطین اور اقبال کا تصور جمعیت مشرق -

محمد علی شیخ

نظریات وافکار اقبال : نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد - ۱۹۸۴ء - ۱۲ + ۲۴۳ ص، ۲۰ × ۱۳½ س م - ۱۰۰ روپے مجلد

ابواب : (۱) فکر اقبال پس منظر و پیش منظر (۲) فکر اقبال، میدان سیاست میں (۳) فکر اقبال و نظریہ ہائے تعلیم (۴) فکر اقبال، سرچشمہ فلسفہ شوری (۵) فکر اقبال کا مزاج تصوف (۶) فکر اقبال، شیدائے اسلام (۷) فکر اقبال مبتلائے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۸) فکر اقبال کا تنقیدی جائزہ

۱۰۔ محمد کلیم آرائیں

علامہ اقبال اور دو ہزار سوالات ، مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار۔ لاہور ، ۱۹۸۴ء ، ۲۴۷

ص ۔ ۱/۲ ۱۷ × ۱۲ س م ۔ ۱۲۰ روپے پیپر بیک

(معلومات اقبال و اقبالیات ۔ سوالاً جواباً)

مظفر حسین برنی ، سید

اقبال اور قومی یکجہتی ، ہریانہ ساہتیہ اکادمی ، چندی گڑھ ، ۱۹۸۴ء ، ۹۲ ص ۔ ۲۲ × ۱۴ س م

قیمت درج نہیں ۔ پیپر بیک

مظفر حسین ، چودھری

اقبال کے زرعی افکار : اقبال اکادمی پاکستان لاہور ، ۱۹۸۴ء ۔ ۱۲۰ ص ۔ ۱/۲ ۲۱ × ۱۳ س م

۲۰ روپے مجلد

<u>ابواب</u> : (۱) زراعت سے اقبال کی دلچسپی (۲) مسئلہ ملکیت زمین (۳) زمین بطور متاع اور

امانت (۴) جدید زرعی مسائل پر علامہ اقبال کے نظریات کا اطلاق (۵) ملکیت ، محدود کی ترجیحات

(۶) فکر اقبال کی اہمیت (۷) فکر اقبال کی روشنی میں زرعی توسیع

مقبول انور داؤدی

مطالب اقبال : فیروز سنز لمیٹڈ لاہور (۱۹۸۴ء) ۲۹۸ ص ۔ ۲۴ × ۱۸ س م ۔ ۱۵۰ روپے

مجلد

(کلام اقبال کا فرہنگ)

نسیم امروہوی :

فرہنگ اقبال : اظہار سنز ۱۹ ۔ اردو بازار لاہور ، ۱۹۸۴ء ۔ ۸۷۰ ص ۔ ۱/۲ ۲۳ × ۱۸ س م

۱۵۰ روپے مجلد

"اقبال کے چاروں اردو مجموعوں اور باقیات اقبال کی لغات ، معنی خیز تراکیبات کا یک جائی لغت

نیز کلام اقبال کی تلمیحات ، استعارات اور متعلقہ اشخاص کا مکمل انسائیکلوپیڈیا"

وحید الدین ، پروفیسر

حکمت اقبال اور گوئٹے : اقبال انسٹی ٹیوٹ ، کشمیر سرینگر ، اپریل ۱۹۸۴ء ۴۹ ص ۔

۲۱ × ۱۴ س م ۔ ۹ روپے پیپر بیک

<u>پیش لفظ</u> از آل احمد سرور

<u>مقالات</u> : (۱) حکمت گوئٹے اور اس کے رموز (۲) اقبال کے بنیادی تصورات خطبات

کی روشنی میں

وحید عشرت، ڈاکٹر

علامہ اقبال کا نظریۂ پاکستان: پاکستان فلسفہ اکادمی ۱۹۶ استقلال بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔ ۱۹۸۴ء، ۷۴ص، ۲۱ × ۱۴/۱۲ س م۔ ۵۰ روپے پیپر بیک

(مقالات: (۱) علامہ اقبال کا نظریۂ پاکستان (۲) تصور پاکستان، مکاتیب اقبال و جناح کی روشنی میں)

تراجم

احمد حسین قریشی

گلشن راز جدید و بندگی نامہ: اقبال اکادمی پاکستان ۱۱۶ میکلوڈ روڈ لاہور۔ مارچ ۱۹۸۴ء، ۹۲ص۔ ۲/۱ ۲ × ۲/۱ ۱۴ س م۔ ۱۵ روپے مجلد

(منظوم پنجابی ترجمہ)

اختر حسین شیخ

اقبال دا شکارا: گلریز پبلشرز لاہور۔ ۱۹۸۴ء، ۱۱۵ص۔ ۲/۱ ۲۱ × ۲/۱ ۱۲ س م۔ ۱۸ روپے مجلد

مقدمے از عارف عبدالمتین

(پانچ منظومات (شکوہ۔ جواب شکوہ۔ فلسفۂ غم۔ والدہ مرحومہ کی یاد میں، طلوع اسلام)، اور پندرہ غزلیات کا منظوم پنجابی ترجمہ)

عبدالمجید خاں ساجد

ولاں دا چانن: کاروان ادب۔ ملتان صدر۔ ۱۹۸۴ء، ۱۳۵ص۔ ۲۱ × ۱۳ س م۔ ۲۵ روپے مجلد

(دس منظومات (شکوہ۔ شمع و شاعر، جواب شکوہ، والدہ مرحومہ کی یاد میں، خضر راہ، طلوع اسلام، ذوق و شوق، مسجد قرطبہ۔ ساقی نامہ اور پیر و مرید) کا منظوم پنجابی ترجمہ۔ ہر نظم کا مختصر تعارف اور پس منظر)

محمد عبدالرشید فاضل، پروفیسر سید

بیان بے خودی: ادارۂ تنویرات علم و ادب۔ ۵۰۵ پیر الٰہی بخش کالونی کراچی۔ ۱۹۸۴ء، ۱۱۸ص۔ ۲/۱ ۲۰ × ۱۶ س م۔ ۳۰ روپے پیپر بیک

(رموزِ بے خودی کا منظوم اردو ترجمہ)

منظور حیدر، سید

ہُن کی کریئے : بزم اقبال کلب روڈ لاہور، نومبر ۱۹۸۴ء، ۴۵ص، ۲۱ × ۱۳ س م۔ ۱۰ روپے پیپر بیک

(پس چہ باید کرد اے اقوام شرق کا منظوم پنجابی ترجمہ)

نیاز، اے کیو

IQBAL'S JAVID NAMA (اقبال کا جاوید نامہ) : اقبال اکادمی پاکستان لاہور، فروری ۱۹۸۴ء، ۳۲۶ص، ۲۱½ × ۱۳½ س م۔ ۴۵ روپے مجلد

دیباچہ از جیلانی کامران۔ (منظوم انگریزی ترجمہ)

تحقیقی مقالے

برائے ایم اے

ثاقب نفیس

چودھری محمد حسین اور اقبال (روابط) : شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور۔ ۱۹۸۴ء، ۱۹۸ص، ۲۸ × ۲۲ س م۔ (نگران : ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا)

خالدہ جبیں

اقبال کے اردو کلام کی شرحیں : شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، ۱۹۸۴ء، ۲۲۷ص، ۱۰½ × ۸½ س م۔ (نگران : ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

سمیعہ شاہین

بانگ درا کی بعض نظموں کا واقعاتی پس منظر : شعبۂ اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور ۱۹۸۴ء، ۱۷۳ص، ۲۷½ × ۲۲ س م (نگران : ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

شگفتہ بانو

بچوں کا شاعر اقبال : شعبۂ اردو و اقبالیات اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، ۱۹۸۴ء، ۱۴۰ص، ۲۸ × ۲۱½ س م۔ (نگران : ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی)

شگفتہ شہناز

تنقید اقبال کے اہم تصورات کا توضیحی اشاریہ (اردو کتب کے حوالے سے) : شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور۔ ۱۹۸۴ء، ۲۹۱ص، ۲۷ × ۲۱½ س م

(نگران : ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

برائے پی ۔ ایچ ۔ ڈی

صدیق جاوید

فکرِ اقبال کا عمرانی مطالعہ : شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی

اورینٹل کالج لاہور ۔ ۱۹۸۴ء

(نگران : ڈاکٹر عبادت بریلوی)

اقبال نمبر

احمد ندیم قاسمی (مدیر اعزازی)

اقبال : بزم اقبال کلب روڈ لاہور ۔ اپریل ۱۹۸۴ء ۔ ۱۱۹ ص ۲۴ × ۱۶ س م ۔ ۱۰ روپے

مقالات : اقبال شناسی کی نئی جہتیں از پروفیسر وارث میر ۔ مکارم اخلاق اور اقبال ، قرآن کریم کی روشنی میں از ڈاکٹر منظر حسن ملک ۔ اقبال اور احیائے دین از پروفیسر محمد انور صادق ۔ اقبال اور صادق سرمد شاعر ملی ایران از ڈاکٹر آغا یمین ۔ مثنوی رومی میں ذکرِ خیر الانام دفتر پنجم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

تبصرۂ کتب : محمد عبداللہ قریشی کی کتاب "حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں" پر تبصرہ از پروفیسر پیارے لال رتن

احمد ندیم قاسمی
کلب علی خاں فائق } (مجلس ادارت)
یونس جاوید

صحیفہ : مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور ۔ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۴ء ۔ ۱۰۲ ص ۲۴۰ × ½۱۵ س م ۔ ۸ روپے

مقالات : حیاتِ جاوداں از محمد عبداللہ قریشی ۔ اقبال ایک نقاد از شاہین ملک ۔ اقبال کی ایک نظم ، شمع اور شاعر از احمد ندیم قاسمی (اس شمارے کے باقی مضامین اقبال سے متعلق

نہیں ہیں)

اسلوب احمد انصاری، پروفیسر

نقد و نظر، اقبال نمبر ۴ : بزم اقبال، گلفشاں، سول لائنز، دودھ پور، علی گڑھ۔ جون ۱۹۸۴ء ۱۱۰ ص ۲۱ × ۱۴ س م ۔ ۱۲ روپے

اداریہ بعنوان حرفے چند از اسلوب احمد انصاری

مقالات : اقبال پر حلاج کا متصوفانہ اثر از انا میری شمل ترجمہ از عبد الرحیم قدوائی۔ مقالہ جبریل و ابلیس از قاضی افضال حسین۔ اقبال کی نظموں کا ایک فکری مثلث از اقبال احمد انصاری۔ اقبال کی اسطوری نظمیں از اسلوب احمد انصاری

اقبال کی تین غزلیات (۱) اپنی جولاں گاہ زیر آسماں ــــ یوں ہاتھ نہیں آتا ــــ دل مردہ دل نہیں ہے ــــ کے تنقیدی تجزیے از ــ قاضی افضال حسین ــــ اسلوب احمد انصاری ــــ سید وقار حسین

تبصرے : (۱) دانائے راز (نذیر نیازی) از سید عاصم علی (۲) تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ (رفیع الدین ہاشمی) از اسلوب احمد انصاری (۳) حرف راز، اقبال کا مطالعہ (حامدی کاشمیری) از اسلوب احمد انصاری

ظفر وارثی، ڈاکٹر

خیال : لاثانی ناشرین، چوک اردو بازار لاہور۔ (۱۹۸۴ء) ۲۴۴ ص ۔ ۲۱ × ۱۴ س م۔ ۲۴ روپے

مضامین : حیات اقبال از عبد الماجد دریابادی۔ اقبال کی نظر میں مسلمانوں کی زندگی از ڈاکٹر میر ولی الدین۔ اقبال کا فلسفۂ خودی از نیاز فتح پوری ــــ اردو غزل میر سے اقبال تک از آل احمد سرور۔ تصور پاکستان اور اقبال از طاہر لاہوری۔ علامہ اقبال اور نوجوان از ہارون الرشید تبسم۔ قرآن اور اقبال از گلزار احمد۔ اقبال کا سیاسی تفکر از ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ۔ اقبال کی شاعری میں عورت کا مقام از فروغ احمد۔ علامہ اقبال کا نظریۂ تعلیم از ڈاکٹر مسکین علی حجازی۔ رومی، نطشے اور اقبال از خلیفہ عبد الحکیم۔ کلام اقبال اور قرآن حکیم از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی۔ اقبال اور نوجوان نسل از پروفیسر اظہر علی رضوی۔ اقبال کا نظریۂ کردار سازی

منظومات بیاد اقبال : علامہ صوفی وارثی میرٹھی۔ مظفر وارثی۔ قتیل شفائی۔ کلیم عثمانی۔ حفیظ تائب۔ ظفر منصور۔ محمد دلپذیر نعیم۔ اکبر کاظمی۔ نظر وارثی۔ اشرف جاوید۔ نظر زیدی۔

ابنِ وارثی، رشید کوثر، نرگس شیخ

عبدالرؤف ملک، پروفیسر (نگران)

بیادِ اقبال؛ گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج بھائی پھیرو۔ ۱۹۸۴ء، ۸۰ ص ۲۳×۱۸/۱۷ س م۔ قیمت درج نہیں ہے۔

مضامین: حیاتِ اقبال، ایک نظر میں از پروفیسر عبدالرؤف ملک۔ فکرِ اقبال کا نمایاں پہلو از پروفیسر یوسف شیدائی۔ اقبال اور عملی سیاسیات از پروفیسر نذیر حسین صابر۔ اقبال اور سرمایہ داری از پروفیسر محمد ارشد۔ اقبال کا نظریہ خودی از عبدالرزاق۔ اقبال کا تصورِ عشق از محمد اشفاق۔ اقبال کا پیغام از مہربان علی۔ اقبال اور عشقِ رسول از محمد مشتاق (ایک مضمون، اقبالیات سے متعلق نہیں ہے)

نظم: بیادِ اقبال از پروفیسر یوسف شیدائی

قائم نقوی

ماہِ نو: دفتر ماہِ نو ۲۳/۳، اے حبیب اللہ روڈ لاہور، نومبر ۱۹۸۴ء۔ ۹۲ ص۔ ۲۷×۲۱/۲۰ س م۔ ۲ روپے

مضامین: اقبال کے شب و روز از محمد عبداللہ قریشی۔ اقبال کا معاشی نظریہ از پروفیسر پریشان خٹک۔ اقبال کی تین رعائیہ نظمیں از میرزا ادیب۔ ٹوٹا ہوا تارا از ڈاکٹر سلیم اختر۔ جاوید نامہ از ڈاکٹر محمد ریاض۔ مجور کاشمیری اور اقبال از کلیم اختر۔ سید شوکت حسین، اقبال کا ایک ممدوح از خواجہ عابد نظامی۔ دانتے اور اقبال سیارہ مریخ پر از اشرف حسینی۔ ستاروں کا گیت از اسلم کمال۔ اقبال کا فلسفہ خودی از غلام ربانی عزیز۔ اقبال ماجتماعی انسانی ضمیر کی آواز از ڈاکٹر محمد اسلم رانا۔ اقبال کا فرِ مصدقہ اور حضرت ابراہیم از ڈاکٹر وحید عشرت۔ ڈاکٹر قاسم رسا تہرانی (پاکستان اور اقبال کا مداح شاعر) از ڈاکٹر محمد ریاض۔ اقبال کا نظریہ خودی از ملکہ الطاف شاہد۔ اقبال اور بچوں کا ادب از رخسانہ بٹ

تراجم: اقبال کی ایک فارسی غزل کا منظوم اردو ترجمہ از انجم رومانی۔ اقبال کے فارسی قطعات کا منظوم اردو ترجمہ از انور مسعود

منظوماتِ بیادِ اقبال: اکبر کاظمی، یزدانی جالندھری، ضیاءالحق قاسمی۔

مصلح الدین سعدی

اقبال ریویو: اقبال اکیڈمی، مدینہ مینشن، نارائن گوڑہ، حیدرآباد، آندھرا پردیش اپریل تا جون ۱۹۸۴ء۔ ۷۲ ص۔ ۲۲×۱۴ س م۔ ۲۰ روپے

اداریہ : بعنوان سخن ہائے گفتنی از مصلح الدین سعدی
مقالات : سید شکیل احمد کی دریافت، از ڈاکٹر گیان چند جین۔ اقبال، حیدرآباد آرکائیوز میں از سید شکیل احمد (آندھرا پردیش آرکائیوز کی امثلہ پر مبنی علامہ اقبال کے حالات غیر مطبوعہ خطوط اور تحقیق کے نئے گوشے)

نسیم الدین خواجہ، ڈاکٹر
کوثر : چلڈرن قرآن سوسائٹی ۱۴۔ وحدت روڈ لاہور۔ نومبر ۱۹۸۴ء، ۷۰ ص —
۱۹ × ۱۳/۲ سم۔ ۳ روپے

متفرق مضامین اور مقالات

آغا یمین، ڈاکٹر
اقبال اور صادق سرمد شاعر ملی ایران : اقبال۔ اپریل، ص ۷۱۔ ۸۰

افضل حق قرشی
اقبال اور عبدالمجید قرشی : اقبال ریویو لاہور۔ جنوری۔ ص ۵۴۔ ۹۵
Index of Articles and Reviews Published in the Iqbal Review
اقبال ریویو لاہور۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء، ص ۱۲۹۔ ۱۵۲

انا میری شمل
اقبال کے کلام میں شیطان کا کردار [ترجمہ از عبدالرحیم قدوائی] نقد و نظر۔ ج ۶ ش ۲، ۱۹۸۴ء۔
ص ۱۱۹۔ ۱۲۴

انور سدید، ڈاکٹر
اردو نظم میں اقبال کا تجدد : تحریریں، سالنامہ نومبر ص ۷۷۔ ۸۱
انور صادق، پروفیسر —— دیکھیے محمد انور صادق، پروفیسر

تحسین فراقی
تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ : سیارہ اکتوبر نومبر۔ ص ۱۹۱۔ ۱۹۶
جلوہ خون گشت و نگاہے بتماشا رسید : اقبال ریویو لاہور۔ جولائی، ص ۱۹۱۔ ۲۲۳

جارج نارڈگلن (George Nordgulen)

Theistic Ontology in Radhakrishnan and Iqbal
اقبال ریویو لاہور۔ اکتوبر۔ ص ۵۱ - ۹۵

جگن ناتھ آزاد

اقبال اور جوش : اوراق۔ جولائی اگست۔ ص ۱۸۹ - ۲۰۱
شیخ محمد عبداللہ اور ڈاکٹر اقبال: ہماری زبان - ۲۲ دسمبر۔ ص ۱، ۲

جیلانی کامران

اقبال ریویو لاہور۔ اپریل ص ۵۵۔ ۹۲ : "Iqbal's Javid Namah"

حامد خاں حامد، ڈاکٹر

زندگی اقبال کی نظر میں : المعارف۔ جنوری۔ ص ۲۵ - ۳۹

حامدی کاشمیری، ڈاکٹر

اقبال کی نظموں کا ساختیاتی پہلو : اوراق۔ نومبر دسمبر۔ ص ۱۹ - ۲۳

حسن اختر، ڈاکٹر

اقبال اور ابن خلدون : اقبال ریویو لاہور۔ جنوری۔ ص ۱۸۹ - ۲۰۶
اقبال اور عزیز احمد : اقبال ریویو لاہور۔ جنوری۔ ص ۳۱ - ۴۷
اقبال کا تصور خدا : کتاب نما۔ جنوری۔ ص ۲۷ - ۳۰

Allama Iqbal and Council of State : اقبال ریویو لاہور اکتوبر۔ ص ۴۴
Ainah-i-Ajam ۴۹ - ۵۰

حنیظ صدیقی

اقبال کی نظر میں فرد اور معاشرے کا تعلق: تحریر۔ سالنامہ نومبر - ص ۸۸ - ۹۲

حمید الدین شاہد، خواجہ

اقبال کا تصور خودی : سب رس کراچی۔ جنوری۔

رحیم بخش شاہین

اقبال کا ایک نادر مکتوب : اقبال ریویو لاہور۔ جولائی۔ ص ۱۱۱ - ۱۱۶

رشیدہ بیگم

پیام اقبال: اظہار۔ اکتوبر نومبر۔ ص ۴۲ - ۴۳

رفعت حسن ڈاکٹر: Iblis in Iqbal's Philosophy اقبال ریویو لاہور۔ ص ۲۵ - ۴۵

Iqbal's Analysis of various Time-Concepts and his own view on Time
اقبال ریویو۔ لاہور اپریل۔ ص ۲۱ - ۴۶

رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر

علامہ اقبال کے غیر مطبوعہ رقعات بنام پرویز رقم : اقبال ریویو لاہور۔ جنوری ص ۲۱۳ – ۲۴

بھارت میں مطالعۂ اقبال، دو زاویے : اقبال ریویو لاہور۔ جولائی۔ ص ۱۷۱ – ۱۸۹

ریاض حسین — بال جبریل کا متروک کلام : ہماری زبان – ۲۲ نومبر۔ ص ۸

Two Rare Documents on Iqbal — اقبال ریویو لاہور، اپریل ص ۹۳ – ۹۸

ریاض الدین احمد اکبر آبادی، الحاج مولوی

علامہ اقبال اور ان کے محسن (علامہ اقبال کا ریاست بھوپال سے تعلق) الحکمۃ۔ نومبر، دسمبر ص ۱۶ – ۲۰

سرجیت سنگھ لامبہ

ایک عاشق اقبال کے تاثرات : تحریریں سالنامہ نومبر۔ ص ۸۷

سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر

علامہ اقبال کی اردو غزل اور انسانی عظمت کا تصور : اقبال ریویو لاہور۔ جنوری۔ ص ۱۵۹ – ۱۷۴

سلطان جہاں

اقبال کی مغرب کے تہذیبی اور سیاسی استعمار کے خلاف جدوجہد : فجر۔ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ ص ۶۵ - ۶۹

سلطان مقصود

کچھ یادیں : اقبال ریویو لاہور۔ جنوری۔ ص ۲۰۷ – ۲۱۱

سلیم اختر، ڈاکٹر

علامہ اقبال اور زوال آدم : اقبال ریویو لاہور جولائی۔ ص ۹۱ - ۱۰۹

سمیع اللہ قریشی

اقبال اور استعمار : اقبال ریویو لاہور۔ جنوری ص ۵۲ – ۸۰

شاہدہ صدیقی

اقبال کا نظریہ ادب و فن، تحریریں سالنامہ نومبر۔ ص ۹۷ – ۱۰۱

صابر کلوروی

مکاتیب اقبال کے ماخذ، چند مزید حقائق : صحیفہ۔ جنوری تا مارچ۔ ص ۳۵ - ۸۴

ظل حسنین علوی

اقبال اور مسلمانوں کا انحطاط : فجر، صفر ۱۴۰۵ھ، ص ۲۶ ۔ ۳۳

صباح الدین عبدالرحمٰن، سید

کیا علامہ اقبال یورپ کے فلسفے سے متاثر تھے : معارف ۔ فروری ص ۱۰۹ ۔ ۱۲۵

صدیق جاوید

تنقید غالب میں اقبال کا حصہ : اقبال ریویو لاہور، جنوری ۔ ص ۲۲۱ ۔ ۲۴۳

عبدالشکور احسن، ڈاکٹر

Iqbal on Muslim Fraternity : اقبال ریویو ۔ اپریل ۔ ص ۱ ۔ ۲۰

عبدالخالق، ڈاکٹر

Iqbal's Concept of Perfect Man : اقبال ریویو ۔ اپریل ۔ ص ۴۷ ۔ ۵۷

عتیق احمد

اقبال اور عشق رسول : فاران ۔ اپریل ۔ ص ۱۱ ۔ ۱۷

علم الدین سالک

اقبال، آزادی ملت کا ہیرو : المعارف ۔ اپریل ۔ ص ۲۷ ۔ ۳۵

عمر حیات غوری

اقبال کی نظم "حسین احمد" کا تحقیقی مطالعہ : ستارہ اکتوبر ۔ ص ۱۴۷ ۔ ۱۷۹

غلام سرور رانا

اقبال اور مغربی نظام تعلیم : تحریریں سالنامہ نومبر ۔ ص ۸۲ ۔ ۸۶

کوثر، ڈاکٹر اے ایچ

اقبال نئی زندگی کا داعی : العلم ۔ جولائی تا دسمبر ۔ ص ۸۰ ۔ ۹۶

محمد آفتاب ثاقب

علامہ اقبال شخصیت کے آئینے میں : اظہار ۔ اکتوبر نومبر ۔ ص ۵۳ ۔ ۶۱

محمد انور صادق، پروفیسر

اقبال اور احیائے دین : اقبال ۔ اپریل ۔ ص ۵۱ ۔ ۶۹

اقبال کی بنیادی حیثیت : اقبال جولائی ۔ ص ۹۷ ۔ ۱۱۰

محمد جہانگیر عالم

علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد [ترتیب و تحشیہ] اقبال ۔ جولائی ۔ ص ۵۵ ۔ ۸۳

محمد حسین عرشی امرتسری

گنجینۂ علم غیر قرآن : اظہار ۔ اکتوبر نومبر ۔ ص ۶۵ ۔ ۷۰

صد رنگ اقبال : اقبال ۔ جولائی ۔ ص ۸۵ ۔ ۹۶

محمد خاں کلیم

اقبال اور گوئٹے : محفل ۔ ستمبر ۔ ص ۹۳ ۔ ۱۰۰

محمد رفیع عالم ، پروفیسر

اقبال ، ایک تنقیدی جائزہ : قومی زبان ۔ نومبر ۔ ص ۱۱ ۔ ۱۸

محمد روز خاں

اقبال اور نشاۃِ ثانیہ : فجر ۔ اکتوبر نومبر ۔ ص ۴۹ ۔ ۵۹

محمد ریاض ، ڈاکٹر

اقبال اور سیرت رسول اکرم : ستارہ ۔ مارچ ۔ ص ۲۱ ۔ ۳۰

اقبال اور عالم اسلام : فکر و نظر ص ۱۷ ۔ ۳۰

اقبال اور نئی نسل ، جاوید نامہ کا ضمیمہ خطاب بہ جاوید : اظہار ۔ مارچ تا اپریل ۔ ص ۹۴ ۔ ۱۰۵

اقبال ، نظریۂ پاکستان اور نفاذ شریعت : المعارف ۔ اپریل ۔ ص ۷ ۔ ۲۶

اقبال ایک مطالعہ (کلیم الدین احمد کی کتاب کا تنقیدی جائزہ) ستارہ اکتوبر نومبر ص ۱۸۰ ۔ ۱۹۰

ایران میں اقبال پر مقالات و کتب : فجر ۔ ص ۲۶ ۔ ۳۳

رومی اور اقبال : اظہار ۔ مئی جون ۔ ص ۲۲ ۔ ۲۳

علامہ اقبال اور علوم و فنون کی اسلامی مناہج : فکر و نظر اکتوبر تا دسمبر ص ۱۱۵ ۔ ۱۳۴

مثنوی گلشن راز جدید اور دیگر تصانیف (ایک تقابلی نظر) : اقبال ریویو ۔ جولائی ص ۷۵ ۔ ۹۰

محمد عبداللہ قریشی ، مولانا

علامہ اقبال کا ایک خط پروفیسر رشید احمد صدیقی کے نام : اقبال ۔ جولائی ۔ ص ۱۱۱ ۔ ۱۱۴

محمد عظیم فیروز آبادی

اقبال کا وصیت نامہ : ہماری زبان ۔ یکم اکتوبر ۔ ص ۱ ۔ ۱۰

اقبال کے والد ، شیخ نتھو : ہماری زبان ۔ ۱۵ نومبر

محمد قاسم راز ، پروفیسر

کلام اقبال میں زندگی اور موت کی حقیقت : شاداب ۔ جولائی

محمد منور، پروفیسر

علامہ اقبال، تاریخ ساز فرد : اقبال ریویو لاہور جنوری۔ ص ۱۷۵ - ۱۸۷

Iqbal and the World of Quran : اقبال ریویو لاہور اپریل ص ۱۱ - ۱

Iqbal -- Epoch-Making Poet -- Philosopher : اقبال ریویو لاہور اکتوبر ص ۱۰۷ - ۱۲۸

محمد یعقوب مغل

اقبال اور ترکی : اقبال ریویو لاہور۔ جنوری۔ ص ۸۱ - ۹۰

مظفر حسن ملک، ڈاکٹر

اقبال اور آزادی : اقبال۔ جولائی۔ ص ۱ - ۳۸

اقبال اور فکر و عمل کا اتحاد : صحیفہ۔ جولائی تا ستمبر۔ ص ۳۲ - ۵۹

معین الدین عقیل، ڈاکٹر

اقبال اور مسئلہ فلسطین : ادراک۔ مارچ، اپریل۔ ص ۲۵۱ - ۲۵۸

دنیائے اسلام، اشتراکیت کا مسئلہ اور اقبال : سیارہ۔ مارچ۔ ص ۲۳۱ - ۲۴۴

معین الرحمٰن، ڈاکٹر سید

یونیورسٹیوں میں مطالعۂ اقبال (صد سالہ جشن ولادت ۱۹۷۷ء تک ۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۲ء تک) :
اقبال ریویو۔ جنوری۔ ص ۹۱ - ۱۲۱

ملا واحدی

اقبال، غالب کی قبر میں : العلم۔ اپریل تا جون۔ ص ۳۰ - ۳۲

ممتاز حسین، پروفیسر

اقبال کا تصور اجتہاد : کتاب نما۔ جولائی۔ ص ۵ - ۹

ممتاز مرزا

کلام اقبال اور سندھی شاعری : اظہار۔ اکتوبر نومبر۔ ص ۱ - ۴۷

میرزا ادیب

شذرات فکر اقبال : تحریریں سالنامہ نومبر۔ ص ۴۲ - ۴۷

نادر قمبرانی

علامہ اقبال اور بلوچی ادب : اقبال ریویو لاہور۔ جنوری۔ ص ۱۲۳ - ۱۳۲

نور محمد قادری

اقبال کا ایک ہمعصر (منشی میراں بخش جلوہ سیالکوٹی) : اقبال ریویو لاہور۔ جولائی۔ ص ۴۹ - ۵۹

علامہ اقبال کی عقیدت بصوفیائے عظام سے : اقبال ریویو لاہور ۔ جنوری ۔ ص ۱ ، ۵۲

وارث میر ، پروفیسر
اقبال شناسی کی نئی جہتیں : اقبال ۔ اپریل ۔ ص ۱ ۔ ۱۸

وزیر آغا ، ڈاکٹر
اقبال کا تصور عشق : کتاب نما ۔ جنوری ۔ ص ۹ ۔ ۱۶

حدیثِ بادہ و مینا و جام آتی نہیں مجھکو
نہ کر خاراشگافوں سے تقاضا شیشہ سازی کا